یورپ کا عروج

ڈاکٹر مبارک علی

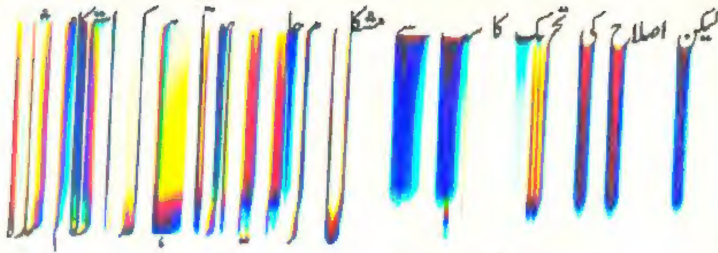
پانچواں باب

ریفارمیشن

ہر معاشرہ تبدیلی کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اس لئے مذہب کے لئے یہ تبدیلی ہمیشہ چیلنج لے کر آتی ہے کہ وہ خود کو تبدیل کرے یا تبدیلی کے عمل کو قبول کرے۔ اس مرحلہ پر مذہب کے کئی روعمل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ معاشرے سے دوری اختیار کر لی جائے اور یہ سمجھ لیا جائے اس دنیا میں برائیاں اور خرابیاں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ ان کی اصلاح ناممکن ہو گئی ہے۔ اس لئے فرد کو نجات کے لئے دنیا سے دور رہ کر' اپنے مذہب اور عقیدہ کو بچانا چاہئے۔ اس نقطہ نظر کا مظہر رہبانیت اور ترک دنیا میں ہوتا ہے۔ عیسائیت میں یہ رجحان خانقاہوں کی شکل میں تشکیل ہوا کہ جب راہب شہروں کو چھوڑ کر آبادیوں سے دور پہاڑوں' صحراؤں' اور جنگلوں میں چلے گئے تاکہ وہاں کے ماحول میں سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کر سکیں۔ ان کے نزدیک شہروں میں لوگ اسی طرح سے مقابلہ اور جنگ و جدل میں مصروف تھے جیسے کہ بھیڑیے اور گدھ ہوں۔ تاجر لوگوں کو دھوکہ دے کر منافع کمانے میں مصروف تھے تو امراء عیاشیوں میں مبتلا گناہوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں راہبانیت واحد راستہ تھا جو شہری زندگی کی نام و نمود اور لالچ سے دور لے جا کر گناہوں اور دنیاوی آلودگی سے راہبوں کو پاک رکھے گا۔

دوسرا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے' مذہب اور معاشرہ کی اصلاح کی جائے تاکہ اس کی برائیاں دور ہو سکیں اور دنیا میں حق و سچائی کی حکومت قائم ہو۔

لیکن اصلاح کی تحریک کا سب سے مشکل



ادارے اور روایات اس تبدیلی کو قبول کریں تاکہ یہ تبدیلی تمام معاشرے کے لئے قابل قبول ہو۔ لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ جب بھی اصلاح کی تحریک شروع ہوتی ہے تو راسخ العقیدہ اور تبدیلی و اصلاح کے خواہش مند طبقوں میں تصادم اور کش مکش شروع ہو جاتی ہے۔ راسخ العقیدہ طبقہ اصلاح اور تبدیلی کو پسند نہیں کرتا ہے اور اسے مذہب کے لئے خطرناک سمجھتے ہوئے اصلاح پسندوں کو خارج کر دیتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مذہب سے علیحدہ ہو کر جو بھی کہا جائے گا وہ باطل اور فسق ہو گا۔

چاہے مخالفت کسی قدر کیوں نہ ہو۔ تبدیلی کا عمل مذہب اور معاشرے میں اصلاح چاہتا ہے۔ اس کو اصلاح کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے تاکہ وہ بے جان اور مردہ ہو کر ختم نہ ہو جائے۔ اصلاح کی تحریک جب بھی شروع ہوتی ہے ابتداء میں مذہبی فرقوں' جماعتوں' اور حلقوں میں اس پر بحث ہوتی ہے کہ اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ایک طبقہ اصلاح کو ضروری سمجھتا ہے تو پھر وہ مقدس کتابوں کے متن' اولیاء کے وعظوں' اور مذہبی تحریروں سے اپنے حق میں دلائل لاتا ہے تاکہ لوگ اس کو مذہب سے انحراف نہ سمجھیں اور اصلاح کو مذہب کی تجدید' یا احیاء کے لئے ضروری سمجھتے ہوئے اسے قبول کریں۔

اصلاح کی تحریک کا اولین مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک مثالی معاشرہ قائم کیا جائے کہ جس میں لوگوں کا استحصال نہ ہو اور معاشرہ میں انصاف و عدل قائم ہو۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں فرد کی زندگی بہتر ہو گی اور لوگ پاک و صاف ہو کر نئی زندگی شروع کر سکیں گے۔

جرمن مصلحین نے معاشرے کو قرون وسطیٰ کی بدعنوانیوں سے پاک کرنے' اور انہیں دور کرنے کا یہ علاج نکالا کہ انہوں نے ابتدائی دور کی عیسائیت کی سادگی کو واپس لانے کی تبلیغ کی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اس عرصہ میں جو کچھ حاصل کیا گیا تھا۔ اور جو تبدیلیاں آ چکی تھیں انہیں کس طرح سے ختم کیا جا سکتا تھا؟ یا جو سائنسی ایجادات ہو

رہی تھیں انہیں کیسے روکا جا سکتا تھا؟ رینا ساں دور کے ہیومنٹس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انسانی معاشرہ مرحلہ وار ترقی کر رہا ہے جس کے نتیجہ میں دلیل و عقل کی توہمات پر فتح ہو رہی ہے۔ لہٰذا معاشرے کی ترقی کو روک کر اسے واپس نہیں لے جایا جا سکتا ہے۔ اس لئے معاشرہ کی بقاء اور ترقی اس میں ہے کہ اسے منظم کیا جائے۔ لوگوں میں کفایت شعاری، محنت، اور ایمانداری پیدا کی جائے تاکہ معاشی ترقی ہو۔ معاشی ترقی ترک دنیا یا رہبانیت اختیار کرنے سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس دنیا میں رہ کر ہوتی ہے۔ (1)

(1)

سوال یہ ہے کہ آخر ریفارمیشن کی تحریک سولہویں صدی میں کیوں کامیاب ہوئی؟ کیونکہ اصلاح کی تحریکیں اس سے پہلے بھی شروع ہوئیں تھیں، مگر چرچ نے ان تحریکوں کو سختی سے کچل کر رکھ دیا تھا اور اکثر مصلحین کو اس جرم میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ سولہویں صدی میں یورپ نئے تجربات و افکار سے روشناس ہو رہا تھا۔ رینا ساں دور میں جو خیالات پیدا ہوئے تھے وہ سائنس، صنعت و حرفت، اور سماجی زندگی کے ہر پہلو میں نئی سوچ اور فکر پیدا کر رہے تھے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے انگلستان کے مورخ لارڈ ایکٹن نے اپنے ایک لکچر میں کہا تھا کہ: زمانہ نے ایسے بہت سے معاشروں کو زوال پذیر ہوتے ہوئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ جو ان راہنماؤں کے ارشادات اور معقولات پر چل رہے تھے کہ جو عرصہ ہوا اپنی قبروں میں جا چکے تھے۔ لیکن سولہویں صدی ان تجربات سے لیس ہے جو اسے تبدیلی کے عمل میں کامیاب کریں گے۔ (2)

یہ نئی دنیا جو ابھر رہی تھی اس میں تبدیلی کے جو اور بہت سے عناصر تھے ان میں چرچ اور ریاست کے درمیان تصادم بھی اہم تھا۔ اب تک چرچ اور پوپ نے یورپ کی ریاستوں کو اپنے تسلط میں رکھ رکھا تھا۔ ان ملکوں میں مذہبی عہدیدار پوپ کی مرضی سے مقرر ہوتے تھے اور یہ بادشاہ کے بجائے اس کے وفادار ہوتے تھے۔ مذہبی ٹیکس جو



ریاستوں کو مالی دشواریاں پیش آتی تھیں۔ سیکولر معاملات میں بھی بادشاہ کی اتھارٹی کو چرچ چیلنج کرتا تھا۔ اگر کوئی ملزم چرچ میں پناہ لے لیتا تھا تو وہ ریاست کے قانون سے بالاتر ہو جاتا تھا۔ لہٰذا یورپ کے حکمران اب چرچ کے اقتدار اور اس کے تسلط کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھنے لگے تھے اور اب وہ اس کے اختیارات کو کم کرنا یا ختم کرنا چاہتے تھے۔

شہروں میں تاجروں کا جو نیا طبقہ ابھر رہا تھا' یہ جغرافیائی دریافتوں اور دور دراز کے ملکوں کی تجارت کے بعد دولت مند ہو رہا تھا مگر یورپ کے فیوڈل معاشرے میں اس کا ابھی تک کوئی مقام نہیں تھا۔ چرچ تاجروں کو برا بھلا کہتا تھا اور ان کے منافع کو ناجائز۔ یہ سودی کاروبار کو بھی مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس لئے نئے طبقہ کو چرچ کی جانب سے کئی مشکلات کا سامنا تھا' وہ نہ صرف معاشرے میں اپنے لئے برتر اور اہم سیاسی مقام چاہتے تھے بلکہ تجارتی سرگرمیوں پر جو مذہبی پابندی تھیں انہیں بھی دور کرنا چاہتے تھے۔

چرچ نے معاشرے کو اس قدر مذہبی بنا دیا تھا کہ ان کی پوری زندگی پر مذہب کا غلبہ تھا۔ مذہبی توہمات لوگوں میں اس قدر سرایت کر گئے تھے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کام کرتے ہوئے ان کا خیال رکھتے تھے۔ ہر گھر میں صلیب اور عیسیٰؑ و مریم کی تصاویر کا ہونا لازمی تھا۔ شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر جگہ جگہ عیسیٰ و مریم کے مجسمے تھے۔ مذہبی تہواروں کی بھرمار تھی جو لوگوں کی تجارتی اور سماجی زندگی میں رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ مذہبی عقیدت کے طور پر لوگ ہاتھوں میں تسبیح لئے پھرتے تھے۔ پوپ کی تاجپوشی پر جلسہ اور جلوس نکالے جاتے۔ مصور' سنگ تراش' موسیقار' معمار' ادیب و شاعر' سب ہی مذہبی موضوعات کو اپنی تخلیقات کا مرکز بناتے تھے۔ (3)

چرچ کے مذہبی اثر و رسوخ کی ایک وجہ مذہبی تبرکات بھی تھے۔ انہیں عوام برکت کا باعث سمجھتے تھے اور ان کی زیارت کو گناہوں سے معافی کا باعث گردانتے تھے۔

یہ تبرکات ہر شہر و قصبہ کے چرچ میں ہوتے تھے۔ چرچ نے ابتدائی دور میں تو ان تبرکات کی مخالفت کی' مگر جب دیکھا کہ ان کی وجہ سے وہ چرچ میں آتے ہیں اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں تو پوپ نے ہر چرچ کے لئے لازمی کر دیا کہ وہ اولیاء کے تبرکات رکھے۔ ان تبرکات میں حضرت عیسیٰؑ کے بچپنے کے کپڑے' بیت اللحم کے اصطبل کی گھاس' وہ میز کے جس پر عیسیٰ نے اپنے حواریوں کے ساتھ آخری بار کھانا کھایا تھا' حضرت مریم کی وہ تصویر کے جو فرشتوں نے بنائی تھی۔ ان تبرکات کے علاوہ اولیاء کے جسم کے ٹکڑے بھی بطور برکت رکھنے کا رواج تھا' مثلاً وینس کے چرچ میں سینٹ جارج کا بازو' سینٹ پال کے کان' سینٹ لارنس کے جلے گوشت کے ٹکڑے اور سینٹ آئفن کو مارے ہوئے پتھر تھے۔ (4)

یہ تبرکات صرف چرچ ہی کے پاس نہیں ہوتے تھے بلکہ بادشاہ اور امراء بھی انہیں خرید کر جمع کرتے تھے۔ مثلاً جرمنی کی ریاست سیکسنی کے حکمران فریڈرک دی وائز کے پاس 17'443 تبرکات تھے۔

چرچ لوگوں کی زندگی میں اس قدر دخل اندازی کرنے لگا تھا۔ 1215ء میں یہ روایت شروع ہو گئی تھی کہ عیسائی ہر سال پادری کے سامنے جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ پادریوں نے ان اعترافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کی نجی زندگی اور ان کے گناہوں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا شروع کر دیں۔ اب ان کو جو ہدایات دی گئیں' ان میں اس قسم کے سوالات ہوتے تھے:

"کیا تم نے فخر و غرور کے ساتھ لباس زیب تن کیا؟ کیا تم نے گانا و رقص شہوت کے ساتھ کیا؟ کیا تم نے کسی عورت سے ناجائز جنسی تعلقات رکھے؟ کیا تم نے لڑکیوں کو تاڑا؟ اور کیا ان کی طرف شہوانہ نظروں سے دیکھا؟" (5)

لوگ اس قسم کے سوالات کو اب اپنی نجی زندگی میں مداخلت سمجھنے لگے اور ان کے جوابات دینے سے کترانے لگے۔ لہٰذا اعترافات نے انہیں چرچ سے بدظن کرنے میں مدد دی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس قسم کے سوالات کر کے پادری خود ذہنی طور



کیونکہ سولہویں صدی کی ابتداء ہی سے پادریوں کی نجی زندگی کے بارے میں لوگوں کو معلوم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مثلاً یہ ہر ایک کے علم میں تھا کہ پادری ایک بڑی تعداد میں داشتائیں رکھتے ہیں' اور عورتوں سے جنسی تعلقات کی غرض سے ان کو حیلہ و فریب سے اپنے دام میں لاتے ہیں۔ لوگ پادریوں سے اس وجہ سے بھی نالاں تھے کیونکہ یہ دفن کے وقت بہت زیادہ پیسوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ اقرباء پروری چرچ کے ادارے میں عام ہو گئی تھی۔ پندرہویں صدی میں لوگ پوپ پال دوم کو مقدس باپ کے بجائے "خوش نصیب باپ" کہتے تھے۔ پوپ پال سوم نے اپنے دو پوتوں کو کارڈینلز بنا دیا تھا۔ پوپ لیو کا کہنا تھا کہ خدا نے اسے پوپ کا عہدہ دیا ہے۔ اس لئے اس سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔ اس کے مرنے پر' جب اس سے "مقدس نشانی" (Sacrament) مانگی گئی تو وہ اس کے پاس نہیں تھی کیونکہ وہ اسے پہلے ہی فروخت کر چکا تھا۔ (6)

چرچ کے عہدیدار مراعات یافتہ طبقوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس لئے یہ نہ تو ٹیکس دیتے تھے اور نہ ہی ان پر عام عدالتوں میں مقدمہ چلتا تھا۔ اس وجہ سے یہ خود کو عام لوگوں سے برتر سمجھتے تھے۔

مذہبی ٹیکسوں' عطیات' نذر نیاز' اور مختلف قسم کے تحفہ تحائف اور نذرانوں کے باوجود چرچ کے عہدیداروں کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنا معیار زندگی بڑھا لیا تھا۔ یہ عالیشان محلات میں رہتے تھے۔ لباس' کھانے' اور سواری پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے تھے۔ شہزادوں اور حکمرانوں کی طرح ان کے دربار ہوتے تھے کہ یہاں یہ مصوروں' مجسمہ سازوں' شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ ان کے اہل خاندان' اور ان میں سے اکثر کی داشتائیں ان کی دولت میں شریک ہوتے تھے۔ لہٰذا چرچ کے لئے دولت کا زیادہ سے زیادہ حصول ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے جہاں اور طریقے دولت اکٹھی کرنے کے اختیار کئے' ان میں سے ایک یہ تھا کہ

پوپ چرچ کے عہدے فروخت کرتا تھا۔ اس کے خریدار زمینداروں اور جاگیرداروں یا تاجروں کے لڑکے ہوتے تھے۔ جو اس غرض سے ان کی قیمت دیتے تھے کیونکہ اس عہدے کے ساتھ ان کا سماجی رتبہ بھی بڑھتا تھا اور انہیں بھی دولت جمع کرنے کے مواقع میسر آتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے اکثریت جو لوگ عہدے خریدتے تھے یہ وہ لوگ ہوتے تھے کہ جنہیں مذہب کے بارے میں کوئی علم نہیں ہوتا تھا۔ (7) یہ غیر حاضر زمینداروں کی طرح چرچ کے کارڈینلز روم میں رہتے تھے اور اپنے علاقوں میں جاتے ہی نہیں تھے' ان کی غرض صرف یہ ہوتی تھی کہ ان کے نام پر جو بھی مذہبی ٹیکس جمع ہوں وہ انہیں روم میں مل جائیں۔

ایک دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کو معافی نامے فروخت کئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے چرچ نے قرون وسطی میں "عالم برزخ" کا تصور پیش کیا اور یہ دلیل دی کہ جو لوگ گناہوں کی سزا میں ابھی عالم برزخ میں ہیں اگر ان کے گناہوں کے عوض معافی نامہ خرید لیا جائے تو ان کی معافی ہو سکتی ہے۔ معافی ناموں کی فروخت کا سلسلہ صلیبی جنگوں میں شروع ہوا تھا تاکہ اس سے چرچ کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ بعد میں ان معافی ناموں کی مانگ بڑھانے کے لئے 1454ء میں پوپ نے اعلان کیا کہ ان کے دائرہ میں خاندان کے اراکین اور وہ دوست بھی آتے ہیں کہ جو عالم برزخ میں اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے ان معافی ناموں پر اعتراض کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ "ان کے بجائے توبہ کے ذریعہ گناہوں سے معافی مانگی جا سکتی ہے اور جنت میں جایا جا سکتا ہے۔ مگر توبہ کی دلیل کو چرچ نے زیادہ اہمیت نہیں دی اور دلیل یہ دی کہ "جیسے ہی پیسوں کے بکس میں' سکہ ڈالنے کی جھنکار گونجتی ہے ایسے ہی روح برزخ سے پرواز کر جاتی ہے۔" معافی ناموں کی فروخت کا مطلب یہ تھا کہ امراء اپنے والدین' رشتہ داروں اور دوستوں کے لئے جنت کے دروازے کھلوا سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس دولت ہے' پیسہ ہے' جبکہ غریب اس سے محروم رہیں گے۔ (8)

1515ء میں پوپ لیو دہم نے ایک جرمن امیر کو مائنز شہر کا آرک بشپ بنا دیا کیونکہ اس نے پوپ کو اس کے عوض خطیر رقم دی تھی۔ پوپ کو اس کی اس لئے ضرورت تھی کہ اسے فگر (Fugger) نامی بنکر کا قرض اتارنا تھا۔ اس لئے اس نے آرک بشپ کو یہ اجازت دے دی کہ وہ سینٹ پیٹر کے نام پر لوگوں کو معافی نامے فروخت کر کے دولت اکٹھی کرے۔ جب ٹیٹزل (Tetzel) نامی پادری نے جرمنی کی گلیوں میں معافی نامے فروخت کرنا شروع کئے تو اس نے لوگوں کے سامنے عالم برزخ کا ایسا نقشہ کھینچا کہ جس میں بچوں کے والدین عالم برزخ میں گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں اور منتظر ہیں کہ ان کی اولاد معافی نامے خرید کر انہیں اس عذاب سے نجات دلائے۔ (9)

یہ وہ حالات تھے کہ جن میں لوتھر نے چرچ کی بدعنوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔

(2)

31 اکتوبر 1517ء کو لوتھر نے اپنے 95 نکات پر مشتمل ایک اعلان چرچ کے دروازے پر کیلوں سے ٹھونک کر لگا دیا۔ یہ ایک زبردست انقلابی قدم تھا۔ ایک بغاوت تھی۔ ان نکات میں اس نے پوپ کے اختیارات' معافی ناموں کی فروخت' اور چرچ کی بدعنوانیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پوپ اور چرچ کو اس سے پہلے بھی اس قسم کی بغاوتوں کا سامنا ہو چکا تھا جو وہ یورپ کے حکمرانوں کے ذریعہ کچل چکے تھے۔ لہٰذا اس بار بھی پوپ نے ایک فرمان بھیجا کہ جس میں لوتھر کے اقدامات کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ ایک "جنگلی سور ہے جو لارڈ کے باغ میں گھس آیا ہے۔" لہٰذا اس کی سزا یہ ہے کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔ مگر اس بار صورت حال مختلف تھی۔ جرمنی کے حکمران پوپ کی دخل اندازی سے پریشان تھے' اور ان کی مالی حالت اب اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ ان کا روپیہ روم جائے' اب عام لوگ بھی پوپ اور چرچ کی بدعنوانیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لئے حکمرانوں نے لوتھر کا ساتھ دیا۔ اور پوپ

سے اس کی حفاظت کی۔

لوتھر نے اصلاح مذہب کی تحریک کے ذریعہ جو تبدیلیاں کیں وہ وقت کی ضرورت کے مطابق تھیں، خاص طور سے حکمران اور بورژوا طبقوں کے لئے اس کی تعلیمات ان کے مفادات کا تحفظ کرتی تھیں۔ لوتھر نے سب سے پہلے تو پوپ کے عہدے سے انکار کیا، اور کہا کہ فرد اور خدا کے درمیان تعلق بغیر کسی مذہبی عہدیدار کے ہو سکتا ہے۔ لٰہذا ہر وہ عیسائی جسے بپتسمہ دیا گیا ہے وہ پادری ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ نجات کے لئے خانقاہ کی زندگی ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح غربت، عصمت، اور اطاعت غیر فطری ہیں۔ (10)

اصلاح کی اس تحریک کے نتیجہ میں جرمن معاشرے میں ہل چل مچ گئی۔ چرچ میں ایسے بہت سے عہدیدار تھے جو پوپ کے خلاف تھے اور نئی اصلاحات کے حامی تھے انہوں نے خانقاہوں سے "ننوں" کو باہر نکالا اور ان سے شادیاں کرنا شروع کر دیں۔ ان کا یہ قدم اس لحاظ سے انقلابی تھا کیونکہ چرچ گیارہویں صدی سے تجرد کی زندگی کے اصول کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ ابتداء میں تو لوتھر نے بھی اس کی مخالفت کی۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ جب تبدیلی اور اصلاح کی تحریک ایک بار شروع ہو جائے تو پھر یہ اس کے راہنماؤں کے بھی قابو میں نہیں رہتی ہے۔ لوتھر کے لئے بھی اس روایت کا ٹوٹنا ایک دھچکہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ "اوہ خدا! کیا وٹن برگ کے لوگ راہبوں کو بیویاں دیں گے۔ وہ مجھے مجبور نہیں کر سکتے کہ میں بیوی رکھوں" مگر 1525ء میں اس نے بھی شادی کر لی۔ اس روایت کے ٹوٹنے کا اثر یہ ہوا کہ پادری اور راہب اور لوگوں کے درمیان تقدس کی جو دیوار تھی وہ ٹوٹ گئی اور وہ بھی عام لوگوں میں شامل ہو گئے۔ (11) شادی کے علاوہ اب طلاق کی بھی اجازت ہو گئی جس نے فرد کو اس کی آزادی دے دی کہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہے علیحدگی اختیار کر لے۔ (12) اگرچہ بائبل کا جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا، مگر لوتھر نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔

تحریک اصلاح مذہب کے لٹریچر کو پھیلانے میں چھاپہ خانہ نے اہم کردار ادا کیا۔

اگرچہ 1480ء سے غیر مذہبی لٹریچر لاطینی کے بجائے جرمن زبان میں چھپ رہا تھا' اور دوسرے ملکوں میں بھی مقامی زبانوں کو فروغ مل رہا تھا۔ مگر اصلاح کے دوران چھاپہ خانے نے چرچ کے خلاف کتابوں' پمفلٹوں' اور اعلانات کو چھاپ کر انہیں جگہ جگہ پھیلا دیا۔ اس وجہ سے کیتھولک چرچ کے عہدیدار بڑے پریشان تھے۔ 1521ء میں پوپ کے نمائندے کا کہنا تھا کہ لوتھر کی لکھی جرمن اور لاطینی زبانوں میں تحریریں روزانہ بازاروں میں آتی ہیں اور لوگ سوائے ان کے اور کچھ نہیں خریدتے ہیں۔ لوتھر کو بھی اس کا اندازہ تھا کہ چھاپہ خانہ اس کی تحریک کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ یہ "خدا کی مہربانی اور عنایت کا سب سے بڑا تحفہ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے خدا کا پیام ہر جگہ جائے گا۔" اس کی ترجمہ کی ہوئی بائبل کے دو سال میں 50 ایڈیشن چھپے۔ اس کے 450 پمفلٹس 3000 وعظ اور ہزاروں کی تعداد میں خطوط ہیں۔ اس کی تحریروں کے مجموعے 100 جلدوں میں چھپے ہیں۔ (13)

بائبل کا مقامی زبانوں میں ترجمہ ہونے اور اس کے شائع شدہ ایڈیشن لوگوں تک پہنچنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب لوگ اسے بغیر پادری کی مدد کے پڑھنے' سمجھنے اور اس کے معنی نکالنے لگے۔ اس نے مذہبی عہدے داروں کی اہمیت کو کم کر دیا ریناساں دور کے ہیومنسٹس اصلاح کی اس تحریک سے بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی زندگی میں سادگی' توہمات سے انکار' اور چرچ کی بدعنوانیوں پر تنقید کرتے ہوئے اصلاحی خیالات کو مضبوط کرنے میں مدد دی۔ ان کا کہنا بھی یہی تھا کہ مذہب کی اصل تعلیمات کے لئے لوگوں کو براہ راست بائبل سے رجوع کرنا چاہئے۔ لوتھر کے ایک عقیدت مند کا کہنا تھا کہ وہ رات کو بائبل کا مطالعہ منہ میں ریت رکھ کر کرتا ہے کہ کہیں سو نہ جائے۔ ہیومنسٹوں نے اس تحریک کو اس وقت اور تقویت دی جب کہ انہوں نے خانقاہوں کو اسکولوں میں بدل دیا۔ 1527 میں جرمنی کے شہر ماربرگ میں پہلی اصلاح پسند یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ (14) لیکن ہیومنسٹس اسکالرز اور لوتھر کے درمیان کئی باتوں پر اختلاف تھا۔ مثلاً ہیومنسٹس کا کہنا تھا کہ علم آزاد ہے اور اسے مذہب کے تابع

نہیں رکھنا چاہئے۔ جب کہ لوتھر کی دلیل تھی کہ علم کا مقصد مذہب کی اصلاح ہے۔ انسان خودمختار نہیں اسے بائبل کی تعلیمات کے تحت زندگی گزارنی چاہئے۔ فرد کی نجات خدا کی مرضی پر ہو گی۔ فلسفیوں کو مذہبی معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ (15)

لوتھر کو اپنی اصلاحی تحریک میں جرمنی کے حکمرانوں' اور فیوڈل لارڈز سے مدد ملی تھی' اس لئے اس نے جہاں مذہب کے معاملات میں انقلابی اقدامات کئے اور اس میں تبدیلیاں لے کر آیا' وہاں سماجی' سیاسی' اور معاشی نظام کو وہ اسی طرح سے برقرار رکھنا چاہتا تھا اور اس میں کسی بھی تبدیلی کو انتہائی مضر اور نقصان دہ سمجھتا تھا۔ اس کے نقطہ نظر سے دنیاوی سلطنت بغیر غیر مساوی معاشرہ کے قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ اس لئے اس میں کچھ آزاد لوگ ہوں' کچھ غلام اور کچھ حکمران۔ وہ بین الاقوامی تجارت' بنک' کریڈٹ کے نظام اور سرمایہ داری کے خلاف تھا۔ چیزوں کی قیمتوں کے بارے میں اس کی رائے تھی کہ : "چیزوں کی قیمت تاجروں کو اپنی مرضی سے متعین نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کو اس قدر منافع لینا چاہئے کہ جو اس کے سماجی رتبہ کو برقرار رکھ سکے۔ اسے اشیاء کی کمی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔ سود کے بارے میں اس کی رائے تھی کہ یہ شیطان کی ایجاد ہے۔ پوپ نے بھی اس کو قبول کر کے پوری دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا۔ اس لئے سود خوروں کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہئے اور ان کے لئے کوئی مذہبی رسم نہیں ادا کرنا چاہئے۔ اس طرح سے ان اشیاء پر پابندی ہونی چاہئے کہ جو عیاشی کا ذریعہ ہیں۔ لوتھر کے ان خیالات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہبی طور پر تو ایک انقلابی تھا کہ جس نے فرد کو چرچ کے تسلط سے آزاد کرا کے اس کا رشتہ خدا سے قائم کر دیا۔ مگر سماجی طور پر وہ قدامت پرست تھا اور سیاسی اتھارٹی اور اس کے تسلط کو نہ صرف برقرار رکھنا چاہتا تھا' بلکہ اس کی عظمت کا قائل تھا۔ (16)

(3)

یہاں پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں : اول یہ کہ تحریک اصلاح مذہب جرمنی میں کیوں

کامیاب رہی؟ اور دوسرے یہ کہ لوتھر کی تحریک نے دوسری تحریکوں کو جنم دے کر حالات کو کس طرح سے تبدیل کیا؟ جرمنی میں کامیاب ہونے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہاں پر جاگیرداروں کا بڑا اثر تھا۔ غریب کسانوں نے اس تحریک کا اس لئے ساتھ دیا کیونکہ انہیں امید تھی کہ ایک اتھارٹی سے بغاوت کے نتیجہ میں وہ آگے چل کر سیکولر اتھارٹی یا حکمران کے اقتدار کو بھی چیلنج کر سکیں گے۔ اس تحریک کی حمایت جرمن حکمرانوں نے بھی کی کیونکہ وہ آزاد اور خود مختار ہو کر قومی ریاست کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تاکہ یورپ کے دوسرے حکمرانوں سے مقابلہ کر سکیں۔ مذہبی تحریکیں عام لوگوں میں اس لئے مقبول ہوتی تھیں کیونکہ ان میں مساوات کا تصور ہوتا تھا جو محروم' استحصالی اور غریب طبقوں کو ایک ایسے معاشرہ کا نقشہ پیش کرتے تھے کہ جس میں عزت و وقار ہو گا اور سب کے ساتھ انصاف ہو گا۔ دیہاتوں میں کسانوں نے جاگیرداروں اور زمینداروں کے خلاف اسی امید پر تحریک کا ساتھ دیا۔ شہروں میں تاجر طبقہ' دوکاندار' دست کار اور ہنرمند جن کو معاشی تحفظ میسر نہیں تھا' وہ بھی اس امید پر اس تحریک میں شامل ہوئے کہ ان کے سماجی و معاشی مسائل کا حل اس سے نکلے گا۔ اس تحریک کی ان لوگوں نے بھی حمایت کی جو سیاسی اصلاحات کے لئے تیار نہ تھے جب کہ مذہبی اصلاحات میں ان کا ٹکراؤ اور تصادم حکمرانوں سے نہیں ہوتا تھا۔

لیکن اصلاح کی تحریک صرف مذہبی معاملات تک نہیں رہی۔ عام لوگ اس کے ذریعہ سے اپنی سماجی اور معاشی زندگی بدلنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تحریک ایک مرحلہ پر آ کر رک گئی ہے کہ جہاں صرف حکمرانوں اور زمینداروں کے مفادات پورے ہوتے تھے' مگر اس سے آگے کہ جہاں لوگوں کے مسائل کا سوال تھا' لوتھر کی تحریک نے اس کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اس کی وجہ سے عام لوگوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی جس کا اظہار انہوں نے اول تو چرچ کے خلاف احتجاج کر کے کیا کہ وہاں سے تبرکات کو نکال پھینکا' چرچ کی کھڑکیوں توڑ دیں' اور عبادت میں دخل دیا۔ (17) اس کے بعد 1524-25ء میں وسطی اور جنوبی جرمنی میں کسانوں کی بغاوت ہوئی کہ

جس میں انہوں نے اپنے بنیادی حقوق کا مطالبہ کیا جن میں شکار کی آزادی' چراگاہوں میں مویشی چرانے کی آزادی اور سرف ڈم کا خاتمہ۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ چرچ کو ٹیکس نہ دیا جائے کیونکہ یہ خدا کی مرضی کے خلاف ہے۔ انہوں نے جاگیرداروں کے قلعوں اور چرچوں پر حملے کر کے انہیں جلانا شروع کر دیا کیونکہ یہ دونوں ادارے ان کے مفادات کے خلاف اور ان کا استحصال کرنے والے تھے۔

ٹامس منزر نے کسانوں کی بغاوت کو سوشلسٹ نظریات کے ذریعہ مضبوط بنایا۔ اس کا کہنا تھا کہ طاقت ور اور دولت مند لوگ عوام کو ان کی روحانی نجات سے روکتے ہیں۔ یہ انہیں غریب اور جاہل رکھتے ہیں تاکہ وہ بائبل نہ پڑھ سکیں۔ اس کا کہنا تھا کہ مذہبی اصلاح سماجی اصلاح کے بغیر نامکمل ہے۔

لوتھر نے کسانوں کی بغاوت اور ٹامس منزر کے خیالات پر سخت تنقید کی۔ وہ آزادی کو صرف روحانی دائرہ میں محدود رکھنا چاہتا تھا' اسے مادی پہلو میں لانے کا سخت مخالف تھا۔ لہذا اس نے باغی کسانوں کو قاتل' چور اور لٹیرا کہا۔ ایک پمفلٹ میں اس نے جرمن حکمرانوں کو نصیحت کی کہ "تم کسی باغی کو دلیل کے ذریعہ قائل نہیں کر سکتے' لہذا تم اپنی تلواریں تیز کر لو۔ اور باغی کے چہرے پر اس قدر زور سے مکہ مارو کہ اس کی ناک سے خون بہنے لگے۔"

کسانوں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ حکمران دونوں مل گئے۔ بغاوت کو ختم کرنے میں ایک لاکھ کسانوں کو قتل کیا گیا اور ٹامس منزر کو گرفتار کر کے اس کا سر اڑا دیا گیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ لوتھر جو خود بھی باغی تھا' اور جس نے پوپ سے بغاوت کی تھی' اب وہ سیاسی اور سماجی بغاوت کے خلاف حکمرانوں اور جاگیرداروں کی اتھارٹی کا ساتھ دے رہا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس کی حمایت کی تھی اور تحفظ فراہم کیا تھا۔ وہ باغیوں کے خلاف یہاں تک گیا کہ حکمرانوں سے کہا کہ کسانوں کی بغاوت ہر صورت میں کچل دو چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں۔

اصلاح کی تحریک کے نتیجہ میں کئی مذہبی فرقے اور جماعتیں پیدا ہوئیں کہ جو نہ تو

کیتھولک چرچ سے مطمئن تھے اور نہ لوتھر کی تعلیمات سے۔ ان میں سے جن کی تعداد کم تھی' انہوں نے اپنی برادری کی تشکیل کی اور محدود دائرے میں رہتے ہوئے پرہیز گاری کی زندگی گزارنی شروع کر دی۔ ان میں سے وہ فرقے بھی تھے کہ جو حالات کی خرابی اور اخلاقی بدعنوانیوں سے اس قدر بددل تھے کہ قیامت کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

اس ماحول میں اناپیپٹسٹ (Anapaptist) تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا یہ نام اس لئے پڑا کیونکہ یہ بچوں کو پیدائش کے بعد بپتسمہ دینے کے قائل نہیں تھے کیونکہ اس کا ذکر بائبل میں نہیں ہے۔ اس لئے بپتسمہ کو وہ بالغوں کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ انہوں نے تثلیث سے انکار کیا۔ سیاست سے دور رہتے ہوئے حکومت کو نہ تو ٹیکس دیتے تھے اور نہ ہی اس کے عہدے قبول کرتے تھے۔ 1532ء میں انہوں نے جرمنی کے شہر منسٹر (Munster) میں اپنی حکومت قائم کر لی جس کا انتظام بارہ کونسلیں کرتی تھیں۔ انہوں نے کیتھولک چرچ کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا' نجی جائداد کے ادارے کو ختم کر دیا۔ کرنسی کے استعمال کو بند کر کے' بارٹر سسٹم کو شروع کر دیا۔ شہر میں بائبل کے علاوہ سب کتابوں کو جلا دیا۔ کیتھولک اور لوتھر کے پیروکاروں کو قتل کیا۔ (20) اس تحریک کو کسانوں' مزدوروں' اور غریب لوگوں کی جانب سے حمایت ملی کیونکہ یہ جائداد' حکومت' امراء' چرچ کے عہدیداروں کے خلاف تھے اور ایک ایسے معاشرہ کا قیام چاہتے تھے کہ جہاں سب لوگ مساوی ہوں' آزاد ہوں' اور مل جل کر رہیں۔

اس تحریک کی بھی چرچ اور حکومت دونوں نے مخالفت کی' اور 16 مہینہ بعد منسٹر کے شہر سے ان کی حکومت کا خاتمہ کر کے اس کے راہنماؤں اور پیروکاروں کو سخت سزائیں دے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

(4)

لوتھر کے علاوہ جس مصلح نے عیسائیت میں اصلاح کی تحریک شروع کی وہ کیلون

(Calvin) تھا جو فرانس میں 1509ء میں پیدا ہوا۔ یہ بھی لوتھر کی طرح معاشرے کی اخلاقی قدروں کے زوال، چرچ کی بدعنوانیوں اور معاشرے کی مذہب سے دوری وہ وجوہات سمجھتا تھا کہ جن کی وجہ سے معاشرہ تباہیوں اور برائیوں میں پھنسا ہوا تھا۔ بقول اس کے:

> "لوگوں کی اخلاقی حالت خراب ہے۔ عیاشی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ انسان جرائم میں ملوث ہو رہا ہے۔ شہوانی جذبات پہلے سے زیادہ بے شرمی کے ساتھ لوگوں میں موجود ہیں۔"

کیلون نے کیتھولک چرچ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس کے نزدیک فرد کی نجات نیک کاموں سے ہوتی ہے۔ لیکن ایک شخص اس پر پریشان ہو جاتا ہے کہ نجات کے لئے کتنے نیک کاموں کی ضرورت ہے۔ اس لئے کیتھولک عقیدے والے اولیاء کی سفارش کراتے ہیں۔ انہیں فکر ہوتی ہے کہ ان کی نجات ہو گی یا نہیں۔ اس لئے اس کا کہنا تھا کہ انسان کو نیکی اس لئے کرنی چاہئے کہ یہ ایک اچھا وصف ہے نہ کہ اس لئے کہ آخرت میں اس کا ثواب ملے گا اور یہ نجات کا ذریعہ ہو گی۔ نیک کام نجات کا راستہ نہیں لیکن یہ نجات کا ثبوت ہیں۔ انسان کو خدا کے احکامات کی پابندی کرتے ہوئے، اخلاقی قدروں کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہ چرچ، ریاست، برادری کے ساتھ رشتوں میں اطاعت و فرماں برداری اور نظم و ضبط رکھے۔ ذاتی و دنیاوی فائدوں سے زیادہ خدا کی خوشنودی کا خیال رکھے۔

کیلون کا عقیدہ تھا کہ خدا نے انسان کی تقدیر کا تعین کر دیا ہے اور اب وہ اس میں کوئی تغیر و تبدیلی نہیں لا سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا آخری فیصلہ ہے۔ اس لئے اب انسان جو بھی کام کرے وہ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ خدا کی بڑائی کے لئے کرے۔ یہ محض عبادت سے نہیں بلکہ عمل سے بھی ہونا چاہئے۔ اس کے لئے وہ کوشش کرے کہ دنیا کو جھگڑوں اور فسادات سے آزاد کرائے۔ (22)

کیلون کی یہ بھی تعلیم تھی تمام مخلوق مساوی طور پر پیدا نہیں ہوئی ہے۔ آخرت

میں ہمیشہ کی زندگی منتخب لوگوں کے لئے ہے' بقیہ کے لئے عذاب ہے۔ منتخب لوگوں کا

اندازہ اس سے ہو گا کہ کون اچھے کام کر رہا ہے۔ اس سے اس کی نجات اور آخرت میں اچھی زندگی کا پتہ چلے گا۔ (23)

ٹانی کیلون ازم کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ درحقیقت یہ ایک شہری تحریک تھی' اس لئے اس کے پیروکار تاجر تھے جو جنیوا' اینٹورپ (Antwerp) لندن اور ایمسٹرڈم میں کاروبار میں مشغول تھے۔ اب تک چرچ نے سودی کاروبار کو ممنوع کر رکھا تھا' لوتھر نے بھی سود کی سخت مخالفت کی تھی۔ کیلون نے ان سے انحراف کرتے ہوئے سود کو جائز قرار دیا کیونکہ اس کے نزدیک سودی کاروبار اور پیداوار بڑھانے کے لئے قرض لینا دو مختلف چیزیں ہیں' کیونکہ سود پر لئے ہوئے روپیہ یا سرمایہ کو تجارت میں لگایا جائے اور اس سے منافع کمایا جائے تو لوگوں کی زندگی بحیثیت مجموعی بہتر ہوتی ہے۔ وہ "توبہ" اور "اعتراف" کی جگہ معاشرہ میں نظم و ضبط کو لازمی خیال کرتا ہے۔ معاشرہ کی خوشحالی اس بات کی ضمانت ہے کہ فرد اور کمیونٹی کی آخرت میں نجات مقدر ہے۔

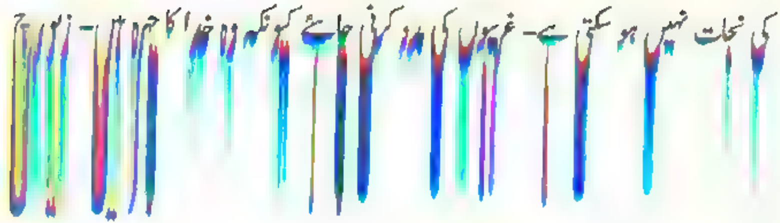
کیلون کے ان نظریات نے کہ منافع محنت کا پھل ہے' دولت کا ارتکاز برا نہیں' بلکہ برائی اس میں ہے کہ اس کی نمائش کی جائے سرمایہ دار معاشرہ کے لئے اچھوت نہیں بلکہ انتہائی مفید ترین شخص ہے۔ اس کی تعلیمات کے نتیجہ میں بورژوا طبقہ اور معاشی قوتوں کو آزادی ملی' سماجی اخلاقیات سے مل کر یہ ایک مثبت قوت میں تبدیل ہو گئیں۔ بقول ٹانی کیلون نے سولہویں صدی میں بورژوا طبقے کو وہ ہتھیار دیئے جو کارل مارکس نے انیسویں صدی میں پرولتاری کو دیئے تھے۔ "مقدر کے فیصلہ" نے انہیں یہ شعور دیا کہ منتخب لوگوں کے ساتھ خدا کی برکتیں ہیں' اور خدا نے انہیں دنیا تبدیل کرنے کے لئے چن لیا ہے۔ اب متوسط طبقہ "معاشی نیکی" کا علم بردار بن کر ابھرا' اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اس نے جنگوں اور انقلابات کا سہارا لیا' کیونکہ تبدیلی کے عمل میں اب اس کے ذاتی مفادات نہیں تھے بلکہ یہ خدا کے منصوبے تھے جو اسے پورے کرنے تھے۔ (24)

کیلون کو برعکس لوتھر کے یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنائے' یہ موقع اسے جب ملا کہ جب سوئزرلینڈ کے شہر جنیوا میں اس نے شہری حکومت قائم کر لی۔ یہاں اس نے معاشرہ کی اصلاح کا جو پروگرام بنایا وہ اس کے نظریات پر تھا۔ اس لئے اس نے اعلان کیا کہ جو اس کے نظریات کے مخالف ہیں یا انہیں تسلیم کرنے پر تیار نہیں وہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں۔ اپنے نظام کی بنیاد اس نے رواداری کے بجائے تشدد اور سختی پر رکھی۔ ان سزاؤں میں عیسائیت سے اخراج' جلاوطنی' قید' اور موت شامل تھیں۔ لوگوں کے مذہبی عقائد کی چھان بین ہوتی تھی۔ اس نے جو احکامات جاری کئے ان کے تحت:

1- شادی کے وقت یہ دیکھا جاتا تھا کہ مرد کو جنسی بیماری تو نہیں ہے۔ 2 شہر میں سرائیں اور ہوٹلیں بند کر دیں کیونکہ یہ مسافروں کو عیاشی کے مواقع فراہم کرتی تھیں۔ 3- وہ تاجر جو کم تولتے یا چیزوں میں ملاوٹ کرتے انہیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں 4 فحش گانوں اور تاش کے کھیلوں پر پابندی لگا دی گئی 5- ہر جگہ بائبل رکھ دی گئی 6- ضروری ہوا کہ کھانے سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا جائے 7- وعظ کے دوران ہنسنے والے کو سزا دی جاتی تھی' کسی کو اجازت نہ تھی کہ قسمت کا حال بتائے۔ پوپ کی تعریف کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ (25)

لیکن مذہبی جنونیت' تشدد' اور سختی کے ساتھ یہ نظام زیادہ عرصہ نہیں چل سکا اور جنیوا کے شہریوں نے اس سے بغاوت کر کے کیلون ازم کو شہر سے نکال دیا۔

اصلاحی تحریکوں ہی میں ایک اور تحریک تھی جو سونگلی (Zwingli) نامی ایک شخص نے شروع کی۔ اس نے 1525ء میں زیورچ کے شہر میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے نظریات لوتھر اور کیلون دونوں کے برعکس معاشرہ کو پاکیزہ' اور بہتر بنانے کا تیسرا راستہ تھے۔ اس کی تعلیمات کے مطابق صرف بائبل کے ذریعہ نجات ممکن ہے' اس لئے دوسری مذہبی رسومات کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ نجی جائداد کو گناہوں کی جڑ سمجھتا تھا' دولت مند اور امیر لوگ اس قدر گناہوں اور بدعنوانیوں میں ملوث ہیں کہ ان



میں معاشرہ کو پاکیزہ بنانے کی جو مہم اس نے شروع کی تھی' اس کے خاص احکامات یہ تھے :

1- آوارہ گردی بند' سیاح شہر میں اس شرط پر آئیں کہ وہ دوسرے دن چلے جائیں گے 2- بیمار اور بوڑھے لوگوں کے لئے ادارے بنائے جائیں 3- ایسے شخص کی مدد نہ کی جائے کہ جو قیمتی کپڑے پہنتا ہو' چرچ نہ آتا ہو' اور کارڈز کھیلتا ہو 4- لوگوں کو محنت کرنی چاہئے کیونکہ اس سے جسم صحت مند ہوتا ہے' انسان چست' چاق و چوبند رہتا ہے- بیماریاں دور ہوتی ہیں- 5- لوگوں کو جوا سے پرہیز کرنا چاہئے' قسمیں کھانے' نام و نمود کی خاطر قیمتی کپڑے پہننے سے دور رہنا چاہئے-

(5)

اصلاح مذہب کی ان تحریکوں نے یورپ کے معاشرے کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا- لوتھر کی تحریک نے یورپ میں قومی ریاستوں کی ابتداء کی- پوپ کے تسلط اور چرچ کے اثر سے آزاد ہو کر حکمرانوں نے قومی بنیادوں پر حکومتوں کو مستحکم کیا جس نے "ہولی رومن امپائر" اور "یونیورسل چرچ" کے اداروں کو ختم کر دیا- قومی ریاستوں نے اب اپنے اندرونی مسائل کی طرف توجہ دینا شروع کی- اپنے ذرائع اور سرمایہ کو انہوں نے اپنی ترقی میں استعمال کرنا شروع کیا- اس کی وجہ سے اب یورپ کے لوگوں میں قومی شناخت ابھری-

کیلون نے تاجر طبقہ کو دولت اکٹھی کرنے' منافع کمانے' زندگی میں ربط و ضبط تنظیم پیدا کرنے' ایمانداری اور محنت سے کام کرنے کی جو لگن پیدا کی' اس کے نتیجہ میں سرمایہ داری کو فروغ ہوا اور تاجر طبقہ معاشرہ میں موثر بن کر ابھرا کہ جس نے آگے چل کر معاشرے کی تبدیلی میں نمایاں کردار ادا کیا-

ان دو کے مقابلہ میں دوسری انقلابی اصلاحی تحریکیں ناکام ہو گئیں- کسانوں کی

بغاوت کو کچل دیا گیا' اور نچلے طبقے کے لوگ اسی حال پر رہے۔ ان اصلاحی تحریکوں نے عورتوں کے سماجی مقام کو بھی نہیں بدلا۔ اگرچہ اصلاحی تحریکوں کے نتیجہ میں پروٹسٹنٹ علاقوں میں خانقاہیں اور کنوینٹ ختم کر دیئے گئے' لیکن عورت کو مرد کے تابع ہی رکھا گیا۔ وہ کسی مذہبی عہدے کی حقدار نہیں تھی بلکہ اس کے لئے گھریلو کردار کو اہم بتایا گیا۔ اس سے جائداد کو سنبھالنے اور تجارتی معاہدے کرنے کا حق بھی چھین لیا گیا۔ اگرچہ پروٹسٹنٹ فرقے نے طلاق کے حق کو تسلیم کیا مگر کئی شرطوں کے ساتھ۔ کیتھولک عقیدے کے مطابق تو عورت کا جسم گناہوں کی جڑ رہا۔ عورتوں کے خلاف اس مخالفانہ رویہ کا نتیجہ تھا کہ 1570ء سے 1630ء کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں فرقوں نے مل کر عورتوں کو جادوگرنیاں قرار دے کر ان کے خلاف مہم چلائی جس کے نتیجہ میں 2,586 عورتوں کو سزائے موت دی گئی۔ اب نئی تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ خاص طور سے گاؤں کی عورتوں کے خلاف یہ مذہبی مہم اس لئے تھی کیونکہ یہ عورتیں جڑی بوٹیوں سے علاج کرتی تھیں' مقبول عام کلچر و روایات' مثلاً فوک کہانیاں اور گیت اور شجرے ان کو زبانی یاد تھے' یہ ان کی نگرانی کرتی تھیں اس لئے صاحب اقتدار طبقے اس عوامی کلچر اور روایات کو ختم کر کے اپنی اتھارٹی اور حکومتی علم کو نافذ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے عورتوں کو خاص طور سے نشانہ بنا کر عوامی کلچر اور روایات کو ختم کر دیا۔

لیکن ان منفی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ' اصلاح کی تحریکوں نے اتھارٹی کو چیلنج کرنے کی ایک روایت ڈالی جو رکی نہیں بلکہ یہ روایت اور آگے بڑھی۔ یورپ کی سیاسی اور سماجی تبدیلی میں بغاوت' انحراف' اور چیلنج کو بڑا دخل ہے۔

(6)

کیتھولک چرچ نے ان اصلاحی تحریکوں کے جواب میں اپنے ردعمل کا دو طرح سے اظہار کیا: ایک تو ان اصلاحی تحریکوں اور ان کے نظریات کو روکنے کے لئے تشدد'

سختی اور سنسرشپ کی پالیسی کو اختیار کیا۔ دوسرے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی کہ چرچ میں اصلاح کرکے اس کو موثر بنایا جائے۔ پوپ پال سوم نے (1555-1559) نے چرچ کی اصلاحات کے بارے میں جو تجاویز دیں ان میں دو باتوں کا خاص طور سے تذکرہ تھا: چرچ کے عہدیداروں میں تعلیم کی کمی' اور پادریوں اور بشپوں کا اپنے اپنے علاقوں میں دولت جمع کرنا۔

اس نے پروٹسٹنٹ فرقے کے لوگوں کو باغی' منحرف' اور دشمن قرار دیتے ہوئے ان کے لئے روم میں محکمہ انکوئیزیشن قائم کیا جس کے انچارج کا کہنا تھا کہ: "اگر ہمارا باپ بھی مذہب سے منحرف ہو جائے تو ہم خوشی سے اسے زندہ جلا دیں گے۔" نظریات پر پابندی لگاتے ہوئے' کتابوں اور تحریروں پر سنسرشپ عائد کی گئی۔ 1558ء میں ایک قانون کے ذریعہ اس شخص کے لئے سزائے موت تجویز ہوئی کہ جو بغیر لائسنس کے کتابیں لائے گا یا ان کتابوں کو رکھے گا کہ جو بغیر لائسنس کے چھپی ہیں۔ ممنوع کتابوں کا انڈیکس چھاپا گیا۔ اجازت شدہ کتابوں پر چرچ اتھارٹیز کی مہر ہوتی تھی۔ ان پابندیوں کے تحت اسپین میں تمام سائنس کی کتابیں ممنوع قرار دے دی گئیں کیونکہ ان کے مصنف پروٹسٹنٹ تھے۔ اہل ہسپانیہ کے لئے سوائے روم' بلونا' اور نیپلز کے کسی اور ملک یا شہر میں جا کر پڑھنا ممنوع ہو گیا۔ اسپین میں سائنس دانوں کو تنبیہہ کی گئی کہ تحقیق نہ کریں اور خود کو برا کہیں اور گناہوں کا اعتراف کر کے پشیمانی کا اظہار کریں۔

لوگوں کے کردار اور ان کی سرگرمیوں پر جاسوسی شروع ہو گئی۔ خاص طور سے غیر عیسائی اقلیتیں جیسے یہودی انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنے علاقوں میں اور صرف خاص اوقات میں باہر آئیں۔ اس عدم رواداری کی پالیسی نے' جو اس سے متاثر ہوئے۔ ان سے زیادہ ان معاشروں کو متاثر کیا کہ جنھوں نے اس پر عمل کیا تھا۔ چنانچہ اصلاح کی تحریکوں کی مخالفت کے نتیجہ میں جنوبی یورپ پس ماندہ ہو گیا اور مغربی یورپ سے ترقی میں تین صدیاں پیچھے رہ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چرچ اب تک خود کو سچائی کا علمبردار سمجھتا تھا' نہ تو اس نے اپنی غلطی تسلیم کی اور نہ تبدیلی کے لئے تیار ہوا۔

حوالہ جات

1- ثانی: ص– 92

2- ایضاً: ص– 61

3- ول ڈیورانٹ: رینائساں، ص– 569

4- ایضاً: ص– 526

5- میری مَن: ص– 99

6- ایضاً: ص– 98، 99

7- ایضاً: ص– 98

8- ایضاً: ص– 98

9- ایضاً: ص– 87

10- ایضاً: ص– 103 فشر: ص– 502، 503

11- میری مَن: ص– 105، 106

12- فشر: ص 102

13- میری مَن: ص– 131

14- ایضاً: ص– 109

15- ایضاً: ص– 109

16- ثانی: ص– 84، 85

17- میری مَن: ص– 65

18- ایضاً: ص– 107

19- ایضاً: ص– 107

20- ایضاً: ص– 115

21- ایضاً: ص– 117

-22 ثانی: ص- 92

-23 میری مکن: ص- 118

-24 ثانی: ص- 98، 99

-25 میری مکن: ص- 119

-26 ثانی: ص- 92، 101

-27 میری مکن: ص- 135، 136

-28 ایضاً: ص- 126 لانڈلیس: ص- 181

چھٹا باب

روشن خیالی

یورپ کے تمام ملکوں میں ترقی کی رفتار غیر مساوی رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رینائساں' جغرافیائی دریافتوں اور ریفارمیشن کے اثرات ہر ملک پر علیحدہ علیحدہ ہوئے۔ یورپ کے ہر معاشرہ میں جدید و قدیم روایات کے درمیان تصادم اور کش مکش رہی۔ قدیم روایات نے فوراً" اپنی شکست تسلیم نہیں کی اور جدیدیت کے خلاف دیواریں کھڑی رکھیں۔ اس مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترقی بغیر رکاوٹ کے آگے نہیں بڑھتی ہے بلکہ قدم قدم پر اسے مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پندرہویں صدی میں جن ملکوں نے ترقی کی تھی ان میں اسپین' پرتگال اور اٹلی شامل تھے۔ لیکن جب مغربی یورپ میں معاشی ترقی ہونی شروع ہوئی تو اسپین' پرتگال' اور اٹلی آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونا شروع ہو گئے۔ ان کی دولت' علم اور تجربہ مغربی یورپ میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا؟

اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اسپین نے نئی دنیا سے حاصل کی ہوئی دولت کو شان و شوکت اور نام و نمود پر خرچ کر دیا۔ جب کہ انگلستان اور ہالینڈ نے اس دولت سے ٹکنالوجی اور سائنس میں ترقی کی۔ (1) اسپین کو امریکہ کے کسانوں سے جو سونا اور چاندی ملا تھا' اس میں اس کی محنت کو دخل نہ تھا۔ یہ وہ دولت تھی جو اس نے امریکہ پر قبضہ کے بعد' وہاں کے باشندوں کو غلام بنا کر ان سے جبری محنت کرا کے حاصل کی تھی۔ اس لئے یہ دولت وہ تھی کہ جس کے لئے ہسپانوی معاشرہ نے کوئی محنت نہیں کی

تھی۔ اس کے حصول میں نہ تو ان کی ذہنی تخلیقات شامل تھیں اور نہ تجربات۔ مفت سے حاصل کی ہوئی دولت کو اول تو حکمرانوں اور امراء نے اپنی عیاشیوں پر خرچ کیا۔ اس کے بعد اس پیسہ کو جنگوں میں لگایا۔ کیونکہ جنگ دولت کو ضائع کرتی ہے۔ اسے پیدا نہیں کرتی' اس لئے یہ اس میں خرچ ہوئی۔ اس نے جو جنگیں انگلستان اور ہالینڈ سے لڑیں' اس کے لئے جہاز' اسلحہ اس نے خود نہیں تیار کیا بلکہ انہیں دوسرے ملکوں سے خریدا۔

ستم ظریفی یہ تھی کہ اسپین کی سمندر پار نوآبادیات کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی ضرورت کا سارا سامان اسپین ہی سے خریدیں' مگر جب ہسپانوی صنعت کار ان کی ضروریات پوری نہیں کر سکے تو انہوں نے دوسرے ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم کئے۔ ہسپانوی صنعت کار بجائے اس کے کہ ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے' اسے کھو دیا اور اس کی اہمیت و افادیت کو نہیں سمجھا۔ اس کے برعکس 1675ء میں ایک ہسپانوی نے فخر سے کہا کہ پوری دنیا ان کے لئے کام کرتی ہے:

> یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تمام قومیں اپنے صنعت کاروں کو میڈرڈ کی خواہشات کے تحت تربیت دیتی ہیں۔ میڈرڈ تمام ملکوں کی ملکہ ہے۔ یہ سب اس کی خدمت کرتے ہیں جب کہ وہ کسی کی خدمت نہیں کرتی ہے۔ (2)

1690ء میں مراکش کے سفیر نے اسپین کے بارے میں اپنے ان تاثرات کا اظہار کیا تھا:

> ہسپانوی قوم کے پاس اس وقت بمقابلہ دوسری عیسائی قوموں کے سب سے زیادہ دولت اور آمدنی ہے۔ لیکن عیش و آرام اور عیاشی کی خواہشات نے ان پر پوری طرح سے قابو پا لیا ہے۔ اور تم مشکل سے ان میں کسی کو پاؤ گے کہ جو تجارت کے لئے دوسرے ملکوں میں جاتے ہوں۔ اس لحاظ سے ڈچ' انگریز'

> فرانسیسی اور جنیوا ان سے مختلف ہیں کہ جو تجارت میں مصروف ہیں ان کے معاشرے میں جو لوگ دست کار اور ہنرمند ہیں ان کے پیشوں کو حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے امراء خود کو دوسری عیسائی قوموں سے برتر و افضل گردانتے ہیں۔ ان کے ہاں دست کاری اور صنعت میں وہ فرانسیسی ہیں کہ جو روزگار کی تلاش میں اپنے ملک کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہنر اور پیشہ کی وجہ سے جلد ہی کافی دولت کما لیتے ہیں۔ (2)

اس صورت حال پر ایک مورخ کا یہ تجزیہ بڑا پر معنی ہے کہ اسپین اس لئے غریب رہا کیونکہ اس کے پاس بہت دولت تھی۔ کیونکہ جو قومیں کام کرتی ہیں وہ سیکھتی ہیں۔ کام کرنے کی وجہ سے ان کے معاشرہ میں ہنر' فن' اور پیشہ کو حقارت سے نہیں دیکھا جاتا ہے اسپین میں صنعت و حرفت اور دست کاری میں مسلمان اور یہودی آگے آگے تھے مگر 1492ء میں ان دونوں قوموں کو اسپین سے نکال دیا گیا جس کی وجہ سے معاشرہ یک دم پسماندہ ہو گیا۔

اسی پالیسی کو اسپین نے اپنی نوآبادیات میں نافذ رکھا کہ وہاں دوسرے ملکوں کے لوگوں کو نہیں آنے دیا۔ اس وجہ سے وہ بھی صنعت و حرفت میں پیچھے پیچھے رہے۔ نہ وہاں دوسری قوموں کے کلچر آ سکے' نہ تجربات' اور نہ علمی اختلافات۔ ہسپانوی حکومت نے وہاں بھی محکمہ انکوئیزیشن کو قائم کر کے منحرف اور اختلاف رکھنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ اس کے نزدیک تجارت' علم کے فروغ' اور ایجادات سے زیادہ عقائد کا تحفظ ضروری تھا۔ اس لئے اس ماحول میں جبر و تشدد رہا اور لوگوں میں اس قدر ڈر اور خوف بیٹھا رہا کہ انہوں نے نہ تو علمی لحاظ سے ترقی کی اور نہ تجارت و صنعت و حرفت میں۔ (4)

یہی صورت حال پرتگال کی ہوئی۔ یہ ایک زمانہ میں بحری دریافتوں اور انجینئرنگ اور دوسرے سائنسی علوم میں سب سے آگے تھا۔ مگر مذہبی تنگ نظری' سیاسی جبر و

قدر اور دولت کے بے جا استعمال نے اسے بھی بہت جلد پس ماندہ بنایا۔ اس کے معاشرے میں چرچ اور اس کے عہدیداروں کا اس قدر اثر و رسوخ تھا کہ چھاپہ خانہ قائم کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ملتی تھی۔ چرچ کی نگرانی میں صرف مذہبی کتابیں چھپتی تھیں۔ پرتگالی نوآبادیات میں بھی اگر کوئی کتاب چھاپنا چاہتا تو اسے سنسرشپ کے لئے پرتگال بھیجا جاتا تھا۔ ان سختیوں کی وجہ سے علم کی جستجو اور تحقیق کا خاتمہ ہو گیا۔ 1670ء میں ایک انگریز سفیر نے ان کے بارے میں لکھا کہ لوگوں کی اکثریت منطقی سوچ سے کتراتی ہے اور دانشورانہ سرگرمیوں سے دور رہتی ہے۔ (5) اس پس ماندگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اٹھارویں صدی میں پرتگیزی بادشاہ جان پنجم (1706-50) سے کہا گیا کہ وہ ریاضی، انجینئرنگ اور دوسرے سائنسی علوم کی تعلیم شروع کرے۔ تو اس کے لئے سائنسی آلات دوسرے ملکوں سے لانا پڑے۔

اسپین اور پرتگال کی پس ماندگی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے معاشرے میں مذہبی تسلط کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے فکری اور ذہنی آزادی ختم ہو گئی۔ دوسرے انہوں نے اپنی نوآبادیات سے جو دولت حاصل کی اسے عمارتوں کی تعمیر، اور آسائش و آرام میں استعمال کیا، اسے صنعت و حرفت میں لگا کر پیداواری عمل کو آگے نہیں بڑھایا۔ جب دولت کے یہ ذرائع ختم ہونا شروع ہوئے تو اس کے ساتھ ہی پس ماندگی کا عمل بھی شروع ہو گیا۔

اٹلی کی ریاستوں میں جو زوال آیا، اور جو پس ماندگی آئی، اس کی دو وجوہات تھیں، اول تو یہ سترہویں صدی تک وینس، فلورینس اور جنیوا کی ریاستوں نے اپنی تجارت کو برقرار رکھا لیکن جب پرتگال نے سمندری راستوں پر قبضہ کر کے ان کے ذریعہ مشرق سے تجارت شروع کی تو خشکی کے راستے ان سے متاثر ہوئے اور ان راستوں کے اجڑنے کے ساتھ ہی ان ریاستوں کا تجارتی ڈھانچہ ٹوٹ گیا۔ اس کے علاوہ ان ریاستوں کے اندر گلڈ سسٹم نے نئی ایجادات کی مخالفت کی۔ صنعتوں میں اس لئے بھی ترقی نہیں ہو سکی کہ صنعت کاروں کو سستی مزدوری نہیں ملتی تھی اور ملکوں کی طرح کہ جہاں

دیہات سے لوگ ملازمت کی تلاش میں آتے اور کم اجرت پر کام کرتے تھے' اس کے مقابلہ میں اٹلی کی ریاستوں میں مزدور شہروں کے رہنے والے تھے' اس لئے وہ زیادہ اجرت مانگتے تھے۔

اس کے علاوہ چونکہ اٹلی میں پوپ کی رہائش تھی اس لئے کیتھولک چرچ نے یہاں اپنے اقتدار کو باقی رکھا اور مذہبی عقیدہ کے خلاف جو بھی دریافت ہوئی اس کی سخت مخالفت کی۔ جس کی ایک مثال گیلیلو ہے۔ 1610ء میں گیلیلو نے اپنے سائنس دان دوست کیپلر کو ایک خط لکھا کہ "پادووا یونیورسٹی میں الہیات کا ایک پروفیسر ہے جس کو میں نے کئی بار زور دے کر کہا کہ وہ چاند اور دوسرے سیاروں کو میری دوربین سے دیکھے۔ لیکن اس نے ضدی پن سے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر تم یہاں کیوں نہیں ہو؟ اگر یہاں ہوتے تو ہم اس کی حماقت پر خوب زور زور سے ہنستے۔" (6)

آخرکار گیلیلو کو اپنی ایجادات اور خیالات کے جرم میں پوپ کی جانب سے گناہ گار ٹھہرایا گیا۔ اس کو تنبیہہ کی گئی اور منع کر دیا گیا کہ یونیورسٹی میں پڑھانا چھوڑ دے۔ 1633ء میں اس جرم پر کہ وہ سورج کو کائنات کا مرکز مانتا تھا اسے مجرم ٹھہرایا گیا۔ اگرچہ وہ تجربے کرتا رہا اور لکھتا بھی رہا۔ لیکن اس کی تحریریں ہالینڈ سے چھپیں۔ 1638ء میں وہ نابینا ہو گیا مگر پوپ نے اسے ہالینڈ جا کر ڈاکٹر سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ اس حالت میں 1642 میں اس کی وفات ہوئی۔ (7)

(1)

ریفارمیشن کا اثر یہ ہوا کہ یورپ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں بٹ گیا اور اس حساب سے ملکوں کی بھی شناخت ہوئی۔ ان ملکوں کے تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں ان فرقوں کے مذہبی عقائد کے تحت آ گئیں۔ اس لئے کیتھولک ملکوں کی یونیورسٹیوں میں مذہبی قوانین کی تعلیم ہوتی تھی تو پروٹسٹنٹ یونیورسٹیوں میں سول لاء پڑھایا جاتا تھا۔ فرانس جو کہ کیتھولک چرچ کے تسلط میں تھا وہاں 1623ء میں ریاست

کی جانب سے کتابوں پر سنسر شپ تھا۔ وہاں ایک راہب کو اس لئے زندہ جلا دیا گیا کہ اس نے پاڈووا یونیورسٹی میں پڑھنے کے بعد معجزوں سے انکار کر دیا تھا۔ 1650ء میں فرانس کے مشہور فلسفی ڈیکارٹ کی موت پر تجہیز و تکفین کے موقع پر کوئی تقریر نہیں کی گئی اور نہ اس کی تعریف کی گئی۔ 1750ء تک پیرس یونیورسٹی میں فلسفہ کی تعلیم ممنوع تھی۔

اس کے برعکس پروٹسٹنٹ فرقے میں، فرد چرچ سے آزاد تھا اور اسے آزادی تھی کہ تجربات کے ذریعہ سچائی کو پا سکتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش تھی۔ فرد اور فکر کی آزادی نے دریافت کی راہیں نکلیں اور پروٹسٹنٹ ملکوں میں چرچ کی سچائی پر اجارہ داری ٹوٹ گئی۔ مزید یہ کہ پروٹسٹنٹ چرچ کے پاس پوپ کی اتھارٹی نہیں تھی، اس لئے انڈیکس، انکویزیشن اور سنسر بھی نہیں تھے کہ جن کی مدد سے وہ اپنی اتھارٹی کو قائم کرتا۔ اس لئے اپنی مذہبی تنگ نظری کے باوجود پروٹسٹنٹ معاشرہ میں رواداری آتی چلی گئی پروٹسٹنٹ ملک باغی مفکرین اور سائنس دانوں کو اپنے ہاں پناہ دیتے رہے۔ جب ڈیکارٹ کو فرانس میں مشکلات پیش آئیں تو وہ بھی بھاگ کر ہالینڈ آ گیا۔

جب ایک بار فکر کی آزادی ہوئی تو سائنسی علوم کو فروغ ملا۔ سائنس دانوں کی انجمنیں اور ایسوسی ایشنز بننا شروع ہو گئیں۔ ان میں اپنی تحقیقات پر باہمی بحث و مباحثے کے لئے کانفرنسیں ہونے لگیں۔ سائنس دانوں اور فلسفیوں و دانشوروں نے لاطینی کی جگہ مقامی زبانوں میں لکھنا شروع کر دیا اس تحریک نے کہ جسے بعد میں روشن خیالی کا نام دیا گیا۔ اس نے جن اصولوں کو قائم کیا ان میں سے چند یہ ہیں:

1- انسان فطرت پر قابو پا سکتا ہے۔
2- خدا کی ذات سے انکار نہیں، مگر اس کی بنائی ہوئی کائنات کو سمجھنا ضروری ہے۔
3- انسان خدا سے آزاد ہے۔
4- لوگوں پر حکمرانوں اور بادشاہوں کے بجائے قواعد و ضوابط کے ذریعہ حکومت کی

جائے۔ اس بات نے مطلق العنان حکومتوں کو چیلنج کیا۔

5- دنیا کے بارے میں علم تجربات سے ہو گا' مذہبی عقائد سے نہیں۔ (8) اس بنیاد پر ایک بہتر دنیا کی تشکیل ہو گی۔ سترہویں صدی میں سائنس اور ٹکنالوجی کی جو ترقی ہوئی' اس میں ٹیلی سکوپ' مائیکرو سکوپ اور دوربین وغیرہ نے بحری سفر میں مدد کی۔ ان آلات کو ڈاکٹروں اور انجینئروں نے اپنے پیشوں میں استعمال کیا۔ سائنس نے جہاں ایک طرف معاشرے میں لوگوں کو فائدہ پہنچایا وہاں ریاست نے بھی اس کو اپنی طاقت کے لئے استعمال کیا اور اس کے ذریعہ اسلحہ سازی کو فروغ دیا۔

(2)

روشن خیالی کی تحریک کے بارے میں مختلف مفکرین نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جس بات پر زور دیا ہے وہ فرد کی آزادی کا ہے۔ والٹیر کے نزدیک اس کی وجہ سے افکار و نظریات و خیالات کو جانچنے' تولنے' اور ناپنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں کبھی قیاس پر بات نہیں کی جاتی ہے۔ کانٹ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ روشن خیالی جاننے کی ہمت کرنے اور اپنی فہم کو استعمال کرنے کا نام ہے۔ ہیوم نے اسے دلیل اور تجربہ کا نام دیا۔ لہٰذا روشن خیالی نے معاشرے کی بنیادی روایات اور اداروں کو چیلنج کیا۔ مذہب کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ایک سماجی ادارہ ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ اسی طرز پر ہونا چاہئے جیسے دوسرے رسم و رواج کا کیا جاتا ہے۔ اخلاقیات کا تعلق مذہب سے نہیں' بلکہ ان کی تشکیل معاشرہ کی اپنی روایات سے ہوتی ہے۔ اس لئے نیکی اور بدی کے بارے میں ہر معاشرہ میں جداگانہ پیمانے ہیں۔

روشن خیال مفکرین کی دلیل یہ تھی کہ وہی ریاست کامیاب ہو سکتی ہے کہ جو عوام کو آزادی دے۔ آزادی کے ذریعہ ہی خوشی و مسرت کو پایا جا سکتا ہے۔ اس وجہ سے اکثر مفکرین روشن خیال حکمران کو ریاست اور معاشرے کے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ روسو کا کہنا تھا کہ روشن خیالی اور مطلق العنانیت دو متضاد نظریات ہیں۔ ایک مطلق

اکثر حکمران کبھی روشن خیال نہیں ہوا کرتا۔

روشن خیالی کی تحریک نے علم کو عقیدہ' قیاس' اور مفروضہ سے آزاد کیا اور اس پر زور دیا کہ علم مشاہدات' تجربات کے ذریعہ آتا ہے۔ قدیم علم کو بھی بغیر چیلنج کئے قبول نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے لاک (وفات: 1704ء) کا کہنا تھا کہ انسان صاف سلیٹ کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنے حواس رکھتا ہے مگر پیدائشی طور پر قابلیت نہیں رکھتا ہے۔ لہذا وہ خود اپنی زندگی بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (9) وہ غلطیوں اور تجربات سے سیکھتا ہے' اور ان کی مدد سے ترقی کرتا ہے اور اپنے منصوبوں کو تکمیل تک پہنچاتا ہے۔

روشن خیالی نے یہ بھی کہا کہ معاشرہ اور کلچر تاریخی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تاریخی عمل انسان کی قوت ارادی اور تخلیقی صلاحیتوں سے آگے بڑھتا ہے۔ اس لئے جو اس کو پیدا کرتا ہے وہ اسے تبدیل بھی کر سکتا ہے۔ عقلیت کے زیر اثر لوگ مذہبی تعصبات سے دور ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے معاشی ترقی ہو رہی تھی' اسی طرح مذہب کا اثر بھی گھٹ رہا تھا۔ اس کا ایک مظہر یہ تھا کہ فرانس میں اب عورتیں اور مرد خانقاہوں میں بطور نن اور راہب کے جانا کم ہو گئے تھے۔ مردوں کے لئے فاتحہ کا رواج بھی نہیں رہا تھا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے وینس کے ایک شخص نے افسوس کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس شہر کے لوگ غیر عیسائی ہو گئے ہیں اور فلسفیوں کی تحریریں پڑھنے لگے ہیں۔

مذہب کی شکل اب وہ نہیں رہی تھی جو کہ قرون وسطی میں تھی۔ اصلاحی تحریکوں نے عیسائیت میں نئے فرقوں کو پیدا کرنا شروع کر دیا تھا جو اب مذہب کو بھی حالات کے تحت ڈھال رہے تھے' مثلاً میتھوڈسٹ فرقے کے لوگوں کا ماننا تھا کہ خدا کی نظر میں سب برابر ہیں۔ یہ لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف لوگوں کے سامنے کرتے تھے۔ اس لئے امراء ان کے مساوات کے اصول اور کھلے اعتراف پر سخت ناراض ہوئے۔ ایک امیر زادی نے کہا کہ:

> یہ ایک قابل ذلت بات ہے کہ یہ کہا جائے آپ کا دل ایسا ہی گناہ آلودہ ہے جیسا کہ ایک کمین انسان کا کہ جو اس زمین پر رینگتا ہے۔ یہ کہنا بے عزتی اور غصہ دلانے والی بات ہے اور اعلیٰ و ادنیٰ ذاتوں کی ثقافت کے خلاف ہے۔ (10)

یونیورسٹیوں میں تحقیق کی آزادی نے مذہب کو بھی اپنے دائرہ میں لے لیا۔ جرمنی میں ٹیوبن گن یونیورسٹی میں بائبل پر ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے تحقیق ہوئی اور کہا گیا کہ دوسری تاریخی کتابوں کی طرح اس میں بھی غلطیاں ہیں۔ اس سوال کو بھی اٹھایا گیا کہ کیا حضرت عیسیٰؑ واقعی کوئی نیا مذہب قائم کرنا چاہتے تھے؟ چرچ کے پاس ان انحرافات کو روکنے کا ذریعہ اب یہ تھا کہ اس کے پاس تعلیمی شعبے تھے' لیکن اب ان کو ریاست نے لے لیا جس کی وجہ سے تعلیم چرچ سے آزاد ہو کر اس پر کھلی تنقید کرنے لگی۔ چرچ مالی طور پر اس لئے بھی کمزور ہو گیا کیونکہ ان کی جائدادوں کو ریاست نے قبضہ میں لے کر فروخت کر دیا تھا۔

روشن خیالی کی اس فضا میں ادب' موسیقی اور آرٹ میں ترقی ہوئی کیونکہ اب ان کی راہ میں جو مذہبی رکاوٹیں تھیں وہ دور ہو گئی تھیں۔ اب کلچر دربار اور بادشاہ کی سرپرستی سے نکل کر امراء کی حویلیوں اور لوگوں کے درمیان آ گیا تھا۔ خواندگی کی شرح بڑھ رہی تھی۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ تک انگلستان' فرانس' اور ہالینڈ اور جرمنی میں 2/3 لوگ پڑھنے لکھنے لگے تھے۔ عورتوں میں بھی یہ تعداد 1/3 ہو گئی تھی۔ اس کا اثر یہ تھا کہ اخبارات کا مطالعہ عام ہو گیا تھا۔ کتابیں اور رسالے بڑی تعداد میں چھپنا شروع ہو گئے تھے۔ پریس اور پبلشروں کی وجہ سے دانشوروں' فلسفیوں اور مفکرین نے اپنی تحریروں کے ذریعہ خیالات کو پھیلایا۔ جب کتابوں کی اشاعت بڑھی تو اس سے لکھنے والوں کو بھی آمدنی ہوئی اور وہ اس قابل ہو گئے کہ کسی کی ملازمت کئے بغیر تصنیف و تالیف میں مصروف رہیں۔ کتابوں اور ان سے پڑھنے کی اس دلچسپی کی وجہ سے جگہ جگہ کتب خانے اور ریڈنگ رومز قائم ہونے شروع ہو گئے۔

دانشوروں اور مفکروں کے ملنے کے لئے یورپ میں اکیڈیمز بنیں کہ جہاں وہ مل

کر علمی موضوعات پر گفتگو کرتے تھے۔ فرانس میں خاص طور سے امراء کی عورتوں نے اپنے گھروں میں ایسی نشستوں کا انتظام کرنا شروع کیا کہ جہاں ادیب و شاعر' مصور و موسیقار جمع ہوتے تھے۔ یہ سیلون کا ادارہ تھا ____ کہ جس نے فرانس کی دانشورانہ فضا کو خوب بڑھایا۔ اس کے بارے میں مشہور مورخ گبن نے لکھا کہ

"پیرس میں دو ہفتوں کے دوران میں نے وہ کچھ سنا اور گفتگو کی جو کہ لندن میں دو یا تین سردیوں کے موسم میں یاد رکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔"

ان سیلونوں میں بحث کے لئے موضوعات کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ یہاں فلسفیانہ نظریات پر بغیر ڈر اور جھجک کے گفتگو ہوتی تھی۔ دانشوروں کی اکیڈمیز میں اسکالرز ہفتہ وار ملا کرتے تھے۔ یہاں لیکچر بھی ہوتے تھے اور بات چیت بھی۔ لیکن سیلون کی طرح اس کی ممبر عورتیں نہیں ہوتی تھیں۔ فرانس و دیگر یورپی ملکوں میں ریاست ان اداروں کی مالی مدد کرتی تھی کیونکہ یہ اس کا مفاد تھا کہ دانشوروں کو ایک جگہ جمع کرے۔ اکیڈمی اہم موضوعات پر انعامی مقابلے بھی کراتی تھی' جن کے موضوعات سیاست و فلسفہ اور ادب پر ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں کافی ہاؤسز تھے کہ جہاں شہر کے ادیب و شاعر اور دانشور جمع ہوتے تھے اور آپس میں تبادلہ خیالات کرتے تھے۔ فری میسن لاجز بھی دانشوروں کے لئے ایک پناہ گاہ تھے۔ یہ سولہویں صدی میں اسکاٹ لینڈ سے شروع ہوا' اور اٹھارویں صدی تک پورے یورپ میں پھیل گیا۔ اس میں اراکین سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ اس کی سرگرمیوں کو راز میں رکھیں گے۔ یہاں پر اراکین آزادی سے بحث و مباحثے کرتے تھے اور چرچ و مذہب کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ ان اداروں نے ایک تو دانشوروں اور مفکروں کو ملنے اور اپنے خیالات پر بحث کرنے کا موقع دیا۔ دوسرے ان کی وجہ سے معاشرہ میں رواداری کی فضا پیدا ہوئی اور لوگ اپنی روایات

اور عقائد پر تنقید برداشت کرنے لگے۔

روشن خیالی نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا۔ اب تک رواج تھا کہ معمولی جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں اور خیال کیا جاتا تھا کہ یہ سزائیں جرائم کو روکنے میں مددگار ہوں گی۔ لیکن اب جرم و سزا کے بارے میں خیالات بدلنا شروع ہوئے۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ لوگوں کا تحفظ کرے' ان کا بھی تحفظ کرے کہ جو جرم کرتے ہیں۔ قانون کو امیر و غریب دونوں کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ ملزم اس وقت تک بے گناہ ہے جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے۔ جرم کو مذہبی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ معاشرے کے نقصان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ جرم کو سزا کے بجائے حالات کو بہتر بنا کر روکنا زیادہ ضروری ہے۔ ملزموں کو اذیت دے کر اعتراف نہیں کرانا چاہئے۔ سزائے موت کو بھی ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

قومی زبان میں تعلیم کی وجہ سے لوگوں میں فوک ادب اور موسیقی سے دلچسپی ہوئی' جس نے قومی شناخت کو ابھارنے میں مدد دی۔ مذہبی اثر کے تحت اب تک تاریخ سے دلچسپی کم تھی کیونکہ اس کے عقیدے کے مطابق چند روزہ دنیا کے بارے میں جاننے کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ لیکن نئے حالات اور نئے نظریات میں تاریخ سے دلچسپی بڑھی اور لوگوں میں اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ملکوں اور قوموں کے بارے میں جاننے کا شوق ہوا۔

مصوری اور موسیقی بھی روشن خیالی سے متاثر ہوئی۔ اب تک مصوری میں مذہبی علامات تھیں اور تصاویر میں بہت زیادہ نقش و نگار' پھول پتے اور پرندے ہوتے تھے۔ لیکن اب فطرت کے مناظر اور دنیاوی موضوعات مصوری کے اہم موضوعات ہو گئے۔

موسیقی اب تک درباروں میں محدود تھی' لیکن اب یہ دربار اور امراء کی حویلیوں سے نکل کر لوگوں تک آئی۔ شہروں میں موسیقی کے ہال تعمیر ہوئے۔ موسیقار جو اب تک بادشاہ اور امراء کی سرپرستی میں تھے' اب وہ عوام کی سرپرستی میں آ گئے۔

(3)

روشن خیالی نے ایک ایسے معاشرے کے قیام میں مدد دی کہ جس میں لوگ آزاد تھے۔ اب معاشرہ ترقی پر یقین کرنے لگا تھا' اور ماضی کے سنہری دور سے انکار کر کے' اپنے حال اور مستقبل کو روشن بنانا چاہتا تھا تاکہ اس سرزمین پر ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکے۔

اس ماحول میں لبرل ازم کے جذبات پیدا ہوئے۔ اس میں انسانی ضمیر کی آزادی کو اہمیت دی گئی۔ اس بات کی آزادی کہ انسان اپنے عقائد کے لئے دوسروں کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ ریاست کا حق نہیں کہ اس کے عقائد کے بارے میں چھان بین کرے اور ان کی نگرانی کرے۔ جب فرد کو یہ حق مل گیا تو ریاست اور معاشرہ کی ایسی تمام روایات' رسوم و رواج کہ جو فرد کو اس کی مرضی کے خلاف مذہبی بنانے پر مجبور کرتی ہیں' وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ لبرل معاشرہ اس طرح ریاست کو سیکولر بنا دیتا ہے۔ سیکولر ریاست میں' اس کو یہ حق نہیں رہتا ہے کہ وہ کسی ایک مذہب کی سرپرستی کرے اور دوسرے مذاہب کو نظرانداز کرے یا ان کو دبا کر رکھے۔ نہ یہ حق کہ تعلیم اور سماجی روایات کو دوسرے مذاہب پر دباؤ کے لئے استعمال کرے۔

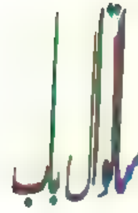
اظہار رائے کی آزادی' قوت برداشت جب معاشرے میں قائم ہوتی ہے تو پھر مذہبی رائے کے ساتھ غیر مذہبی نظریات کو بھی یہ حق مل جاتا ہے کہ وہ اپنی بات کا اظہار کر سکیں۔ یہاں آ کر سنسرشپ ختم ہو جاتی ہے اور معاشرہ میں ایک نیا ماحول پیدا ہوتا ہے کہ جس میں ہر فرد آزادی سے بات کر سکتا ہے۔ ایک ایسے ہی معاشرے میں تخلیقی سرگرمیاں زور پکڑتی ہیں۔

حوالہ جات

1- لانڈیس: ص۔ 169

2- ایضاً: ص۔ 172

3- ایضاً: ص۔ 172



صنعتی انقلاب

انگلستان کے صنعتی عمل کو آر نلڈ ٹائن بی نے انقلاب سے موسوم کیا۔ حالانکہ اس کے لئے یہ اصطلاح صحیح نہیں ہے کیونکہ انقلاب اچانک تبدیلی لاتا ہے' جبکہ انگلستان میں صنعتی عمل اچانک تبدیلی لے کر نہیں آیا بلکہ یہ ایک آہستہ عمل تھا جو مرحلہ بہ مرحلہ آگے بڑھا' اور ساتھ ہی میں معاشرے میں تبدیلی بھی لاتا رہا۔

اس کے بارے میں فرانس کے مورخ بروڈل کا کہنا ہے یورپ کی اور ذمہ داریوں کی طرح صنعتی انقلاب لانے کی بھی ذمہ داری ہے کہ جو اب تک مسلسل آگے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس انقلاب کو لانے میں جو ٹکنالوجیکل ترقی ہوئی ہے وہ یورپ کے اندرونی عمل کا نتیجہ ہے۔ (1) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں بیرونی عناصر کا کوئی کردار نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اس کا یہ دعویٰ یورپ کی تاریخی مرکزیت کو ظاہر کرتا ہے۔

بروڈل صنعتی ترقی کے اس عمل کو قرون وسطیٰ سے شروع کرتا ہے کہ جب اس کو آگے بڑھانے میں توانائی کے ذرائع میں پانی اور ہوا سے چلنے والی چکیاں تھیں جو کہ بارہویں صدی یورپ میں استعمال ہوتی تھیں۔ اس کے بعد سات صدیوں تک کوئی ٹکنالوجیکل ایجاد نہیں ہوئی اور صنعت ایک ہی جگہ کھڑی رہی کیونکہ توانائی کے ذرائع کے بغیر صنعت آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ اس لئے ابتداء میں کمرشل یا مرکنٹائل سرمایہ داری نے صنعت کے بجائے تجارت کے فروغ میں حصہ لیا۔ یورپ کے تاجروں نے مشرق سے روابط قائم کئے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یورپ کے پاس ایسا کوئی مال نہیں تھا کہ جو وہ مشرق کو فروخت کر سکتے۔ اس لئے اس کا ایک حل تو یہ نکالا گیا کہ یورپی

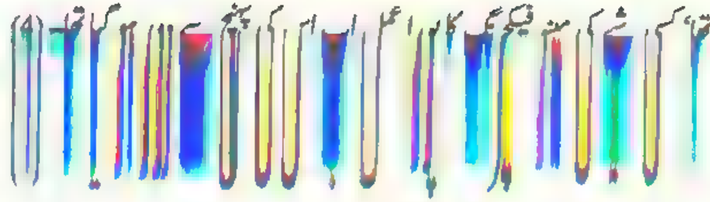
تاجر مشرق بعید سے گرم مسالہ لاتے' اسے ہندوستان میں فروخت کرتے اور یہاں کپڑا لے جا کر مشرق بعید میں بیچتے۔ اس سے انہیں جو منافع ہوتا اس کی مدد سے یہ اپنے خسارے کو پورا کرتے۔

ابتدائی دور میں تجارتی مال کو خشکی یا بحری راستوں سے لے جانے میں بھی بڑی دشواریاں تھیں جس کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ مال لیجانے میں بڑا وقت لگتا تھا۔ مثلاً پندرہویں صدی میں اسپین سے اون دھو کر فلورنس پہنچائی جاتی تھی' وہاں سے یہ اسکندریہ جاتی تھی۔ اس کے بدلہ میں وہاں کا سامان پہلے فلورنس آتا اور پھر یہاں سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں جاتا تھا۔ اس عمل میں تین سال لگ جاتے تھے۔ ان تین سالوں میں سرمایہ متحرک نہیں رہتا تھا بلکہ اس عمل میں پھنسا ہوا رہتا تھا۔ (2)

بروڈل کی دلیل کو ایک اور اسکالرز نے سہارا دیا کہ یورپ کا صنعتی انقلاب قرون وسطی سے یعنی سولہویں صدی سے شروع ہو گیا تھا کیونکہ اس دوران میں انفرادیت پیدا ہوئی' سرف ڈم کا خاتمہ ہوا' مزارع کے بجائے اب کاشتکار ہونے لگے۔ دیہاتوں میں کاشت کے ساتھ ساتھ صنعت بھی پہنچ گئی۔ رسم و رواج اور روایات کو معاشرہ نے منافع پر قربان کر دیا۔ (3)

ان دونوں دلائل میں اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یورپ کے صنعتی انقلاب میں مشرق اور اس کی تجارت کا کوئی زیادہ یا بالکل دخل نہ تھا۔ صنعتی تبدیلیاں یورپ کے اپنے معاشرہ اور اس کی ضروریات کے تحت آئیں لہٰذا یہ یورپ کا خالص کارنامہ ہے۔

بروڈل صنعتی عمل کی ترقی میں محنت کی تقسیم کو اہم گردانتا ہے' کیونکہ ابتدائی دور میں ہر پیشہ ور خود ہی ایک چیز کو پوری طرح سے بناتا تھا۔ مثلاً ایک موچی پورا جوتا اکیلا تیار کرتا تھا۔ مگر 1761ء میں فرانس میں لیون (Lyon) کی ایک فیکٹری میں کام کو یا محنت کو تقسیم کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دست کار یا ورکر صرف اپنے کام کو جانتا



تھا' کسی شے کی مینوفیکچرنگ کا پورا عمل اب اس کی پہنچ سے باہر ہو گیا تھا (4)

لہٰذا بروڈل کا کہنا ہے کہ صنعتی انقلاب سے پہلے ہی یورپ کے معاشرہ میں سرمایہ بھی تھا' تجارت میں نفع و نقصان برداشت کرنے کی مہم جوئی بھی تھی' تاجر اس وقت منڈی اور اس کی مانگ سے بھی واقف تھا' اس کے پاس لیبر فورس بھی تھی۔ مگر جو کمی تھی وہ یہ کہ معاشرہ منظم نہیں تھا' زراعت کمزور تھی۔ منڈیوں تک مال لے جانے کے لئے ذرائع نقل و حمل کم تھے۔ آپس میں مقابلہ بہت سخت تھا۔ معمولی بحران تاجروں کو تباہ کر دیتے تھے اور ان کی کمپنیاں دیوالیہ ہو جاتی تھیں۔ اس لئے اس دوران دیکھا گیا ہے کہ کئی فرمیں دیوالیہ ہو کر ختم ہوئیں اور ان کی جگہ نئی آگئیں۔ اس وجہ سے تجارت میں استحکام نہیں تھا۔

اس وقت سستی مزدوری پر صنعت چلتی تھی۔ جہاں سستی مزدوری نہیں ملتی تھی' وہاں صنعت بیٹھ جاتی تھی۔ اس کی مثال وینس اور ہالینڈ کی ہے۔ جو زیادہ اجرت دینے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ کیونکہ انہیں مزدور شہر میں ملتے تھے جو زیادہ تنخواہ طلب کرتے تھے۔ ان حالات میں ضرورت تھی کہ ٹکنالوجی ترقی کرے اور محنت کے لئے مشینوں کی ایجاد ہو۔ (5)

اس لئے معاشرے کو تبدیل کرنے کے لئے اور صنعت و حرفت کے عمل کو آگے بڑھانے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت تھی 1- ٹکنالوجی کو بہتر بنایا جائے 2- قانونی' سیاسی اور معاشی اداروں کی تشکیل کی جائے جو کہ لوگوں کی ضرورت کو پورا کر سکیں۔ 3- اس عمل میں کلچر کو فروغ دیا جائے۔

اگرچہ صنعتی ترقی کا عمل کسی نہ کسی شکل اور کسی نہ کسی مرحلے پر ہر یورپی ملک میں تھا۔ مگر صنعتی انقلاب سب سے پہلے انگلستان میں آیا۔ اس لئے یہاں پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آخر انگلستان ہی میں کیوں آیا؟ دوسرے یورپی ملکوں میں کیوں نہیں؟

(1)

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مورخین خاص طور سے ان سیاسی' سماجی' اور

معاشی حالات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ جو اٹھارویں صدی میں انگلستان میں تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ وہاں پر سیاسی استحکام پیدا ہو چکا تھا۔ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جو تصادم وہاں کی سیاست میں تھا' اس میں پارلیمنٹ وقت کے ساتھ ساتھ مسلسل اپنی طاقت و اختیارات میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس کی ابتداء 1215ء کے میگنا چارٹر سے ہوتی تھی' مگر جنگوں اور قوانین نے مزید امراء کے اختیارات میں اضافے کئے تھے۔ خاص طور سے 1688ء کے شاندار انقلاب نے بادشاہ کے اختیارات کو اور زیادہ محدود کر دیا تھا۔ 1689ء کے "بل آف رائٹس" کے تحت بادشاہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی ٹیکس نہیں لگا سکتا تھا۔ اور نہ ہی پارلیمنٹ کے انتخابات میں دخل دے سکتا تھا۔

جغرافیائی طور پر انگلستان متحد ہو چکا تھا۔ اسکاٹ لینڈ' اور آئرلینڈ اگرچہ خود کو علیحدہ سمجھتے تھے' مگر اسکاٹ لینڈ کو سیاسی معاہدوں کے تحت اور آئرلینڈ کو فوجی و انتظامی جبر کے تحت انگلستان کا حصہ بنا دیا تھا۔ پھر اس کی ایک زبان تھی۔ لہٰذا بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیانی اختیارات کی اس تقسیم نے اقتدار کو کسی ایک فرد یا ادارے میں محدود نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے معاشرے میں فرد کو آزادی تھی۔ اس کی جانب سے اشارہ کرتے ہوئے ایڈم اسمتھ نے کہا تھا کہ:

> جب بھی افراد اپنے اختیارات اور آزادی کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو ان کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں آتی ہیں۔ لیکن فرد کی آزادی کا جذبہ اس قدر طاقت ور اور توانائی سے بھرپور ہوتا ہے کہ ان ہزاروں مشکلات پر قابو پا لیتا ہے کہ جو اس کے لئے رکاوٹ بنتی ہیں کیونکہ یہی وہ راستہ ہے کہ جس پر چل کر فرد دولت اور خوش حالی کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے برطانیہ عظمیٰ کی صنعت قابل ذکر ہے' اگرچہ اس کو مکمل طور پر تو آزاد نہیں کہا جا سکتا ہے' لیکن دوسرے یورپی ملکوں کے مقابلہ میں یہ



فرانس' جرمنی' اٹلی اور اسپین کی ریاستوں میں اندرونی طور پر بہت ٹیکس تھے' جن کی وجہ سے تجارت میں آزادانہ سرگرمیوں پر رکاوٹیں آ جاتی تھیں۔ ملک میں مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر چنگی دینا پڑتی تھی' جب کہ انگلستان میں اس قسم کے کوئی اندرونی ٹیکس نہیں تھے۔

انگلستان میں ناپ تول کے پیمانے معیاری تھے۔ معاشرہ میں وقت کی اہمیت کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اٹھارویں صدی میں سب سے زیادہ گھنٹہ اور ٹائم پیس یہاں پر ہی بنتے اور فروخت ہوتے تھے۔ وقت کی پابندی کی وجہ سے معاشرہ میں لوگوں کی عادتیں بدل گئیں۔ لوگوں نے اپنے روزمرہ کے معمولات کو وقت کے مطابق تقسیم کر دیا۔ مسافروں کی کوچیں وقت پر جانے لگیں۔ اب آرام سے زیادہ تیز رفتاری کی اہمیت ہو گئی کہ تکلیف اٹھائی جائے مگر وقت پر پہنچا جائے۔

صنعت و حرفت کی اس ترقی میں بینکوں کا اہم کردار رہا جو کریڈٹ پر تاجروں کو پیسہ دیا کرتے تھے۔ یہاں پر سترہویں صدی سے جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں قائم ہونا شروع ہو گئیں تھیں' جس کا فائدہ یہ تھا کہ اب نقصان کی صورت میں سب برابر کے شریک ہوتے تھے۔

برطانیہ میں دوسرے یورپی ملکوں کے مقابلہ میں مذہبی تعصب کم تھا۔ فرانس میں اس تعصب کی وجہ سے وہاں پروٹسٹنٹ عقیدے کے لوگوں کی مذہبی آزادی چھین لی گئی۔ ان کا قتل عام ہوا۔ اس وجہ سے ان کی اکثریت ملک چھوڑ کر دوسرے یورپی ملکوں خاص طور سے برطانیہ میں آ کر آباد ہوئے۔ سولہویں صدی میں نیدرلینڈ سے جولاہے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ ان کے علاوہ کسانوں کی بڑی تعداد بھی آئی کہ جنہوں نے زراعت میں پانی کے نکاس کے نئے طریقوں کو متعارف کرایا۔ ان کے علاوہ اسپین سے نکالے ہوئے یہودی بھی آ کر آباد ہوئے کہ جو تجارت اور مالیات میں ماہر تھے۔ (8) یہ غیر ملکی مہاجرین جو برطانیہ میں آ کر آباد ہوئے یہاں ان کو اپنے عقیدے کے

مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی تھی' اس لئے اس رواداری کے ماحول میں انہوں نے صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کی جس کا فائدہ برطانیہ کو ہوا۔

اٹھارویں صدی کی ابتداء میں برطانیہ کاٹیج انڈسٹری میں دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں آگے تھا۔ خاص طور سے اس کے صنعت کاروں کا یہ طریقہ کہ وہ گاؤں اور دیہاتوں میں کاریگروں کو خام مال فراہم کرتے تھے اور جب وہ کام مکمل کر لیتے تھے تو انہیں اس کی اجرت دیا کرتے تھے۔ اس نظام میں کام کرنے والے آزاد تھے کہ وہ اپنے گھروں پر جب چاہیں کام کریں' اور جب چاہیں آرام کریں۔ اس وجہ سے کام کرنے والے ہفتہ کے شروع میں سست رفتاری سے کام کرتے تھے مگر ہفتہ کے آخر میں زیادہ کام کرتے تھے تاکہ کام کو ختم کر کے اور اسے آجر کو حوالے کر کے اپنی اجرت وصول کریں۔ لیکن صنعت کاروں اور آجروں کے لئے یہ طریقہ کار زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ مثلاً جولاہے اپنے گھروں پر کپڑا تیار کرتے تھے۔ ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس سے اپنا ذاتی فائدہ بھی اٹھائیں۔ وہ یہ کرتے تھے کہ ایک سے پیشگی لے کر تیار مال دوسرے کو دے دیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تاجر کے دیئے ہوئے خام مال سے چوری کر کے اسے اپنے لئے استعمال کرتے تھے کم مال کے استعمال سے کپڑے کی کوالٹی خراب ہو جاتی تھی۔ تاجروں نے ان کی چوری پکڑنے کے لئے ان پر نگران بھی مقرر کئے' مگر انہیں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس پر تاجروں نے حکام سے مدد مانگی' جس کی بنیاد پر ان کے گھروں کی تلاشی بغیر کسی وارنٹ کے ہونے لگی' انہیں گرفتار کر کے سزائیں دی جانے لگیں' مگر اس پر سخت احتجاج ہوا کہ ایک انگریز کا گھر اس کا قلعہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے تقدس کو پامال نہیں کرنا چاہئے۔

ان حالات میں صنعت کاروں اور تاجروں نے اس کا یہ علاج سوچا کہ کاریگروں کے لئے فیکٹری ہونی چاہئے کہ جہاں وہ ان کی نگرانی میں ایک جگہ جمع ہو کر مقررہ وقت تک کام کریں۔ اگرچہ ابتداء میں فیکٹری کا قیام مہنگا پڑا کیونکہ اس کے لئے انہیں زمین خریدنا پڑی' عمارت بنوائی' مشینیں خریدیں' اور کام کے لئے آلات فراہم کرنا پڑے' مگر

آخر میں فیکٹری سسٹم کی انقلاب میں ایک موثر عنصر ہوا۔ (9) شروع شروع میں تو فیکٹری اور کاٹیج انڈسٹری کی مشینیں ایک جیسی تھیں اس لئے انہیں زیادہ فائدہ نہیں ہوا مگر جب فیکٹری میں زیادہ طاقت والی مشینیں آئیں تو فیکٹریوں نے کاٹیج کی صنعت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ جب کاٹیج کی صنعت ختم ہونا شروع ہوئی تو اس کے نتیجہ میں مزدوروں اور کسانوں میں بیروزگاری پھیل گئی۔ یہی وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے فیکٹریوں کو سستی مزدوری فراہم کی۔

برطانیہ میں صنعتی انقلاب کو لانے میں اس کے زراعتی انقلاب کا بڑا حصہ ہے۔ آبپاشی کے نئے طریقوں' فصلوں کے اوقات کے تعین' کھاد کے استعمال' اور نئی مشینوں کے استعمال نے اس کی زراعت کو ترقی دی۔ اس سے پہلے زمین کے بڑے بڑے قطعے جو کھلے ہوئے رہتے تھے' اب ان کو زمینداروں نے باڑہیں لگا کر اپنے کھیتوں میں شامل کر لیا جس کی وجہ سے زراعتی پیداوار میں تو اضافہ ہوا' مگر اس کی وجہ سے کسانوں میں بیروزگاری پھیل گئی۔ کیونکہ اول تو وہ اس خالی زمین کو اپنے جانوروں کے لئے بطور چراگاہ استعمال کرتے تھے' اور اس میں اپنی ضروریات کے لئے سبزیاں وغیرہ بھی کاشت کر لیتے تھے۔ جب یہ زمین ان کی پہنچ سے دور ہوئی تو اس نے ان کی غذائی ضروریات کو کم کر دیا اور ان کے جانوروں کے لئے چارہ کے ذرائع بھی ختم ہو گئے۔ مشینوں نے بھی ان کے کام میں دخل دے کر انہیں بیروزگار بنا دیا۔ اس لئے یہ بیروزگار کسان اپنے گھروں کو چھوڑ کر شہر چلے آئے تاکہ اپنی محنت کو فروخت کر سکیں اس سے شہر کے صنعت کار اور فیکٹری کے مالکین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور کم سے کم اجرت پر انہیں ملازمت دی۔

صنعتی ترقی میں ذرائع نقل و حمل کا بڑا حصہ ہے۔ اس سے پہلے سڑکوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی اس وجہ سے تاجروں نے سڑکوں کی تعمیر اور دیکھ بھال کے لئے نجی طور پر سرمایہ کاری کی اور مال کی آمدورفت کے لئے سڑکیں بنوائیں۔ راستے میں تاجروں کی سہولت کے لئے سرائے تعمیر کرائے تاکہ کھانے اور آرام کی سہولتیں ہوں۔ سڑکوں

کے علاوہ دریا اور نہروں کو بھی مال کو لیجانے کے لئے استعمال کیا گیا۔

کوئلے اور لوہے کی کانوں نے صنعت کو توانائی کے ذرائع فراہم کئے۔ صنعتی ترقی میں ریاست نے پوری طرح سے صنعت کاروں اور تاجروں کا ساتھ دیا۔ مثلاً یہ کہ ریاست نے صنعت کار اور مزدوروں کے درمیان تنخواہوں اور اجرت کے معاملہ میں دخل دینے سے انکار کر دیا کہ یہ ان دو پارٹیوں کے مابین معاہدہ ہے کہ جس کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے صنعت کار کو یہ مواقع مہیا کئے کہ وہ مزدوروں کو اپنی شرائط پر ملازم رکھے۔ انگلستان کے وزیراعظم پٹ (Pitt) نے 1799ء میں ایک قانون کے ذریعہ مزدوروں پر یہ پابندی لگا دی تھی کہ وہ اپنی تنخواہوں میں اضافہ کا کوئی مطالبہ نہیں کریں گے۔ ملکی پیداوار اور صنعت کو تحفظ دینے کے لئے درآمدی مال پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگا دیئے تھے۔ انگلستان کی بحریہ تاجروں اور صنعت کاروں کے تجارتی جہازوں کی حفاظت کرتی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ پابندی لگا دی تھی کہ نوآبادیات والے صرف برطانوی جہازوں کے ذریعہ ہی اپنا خام مال بھیج سکتے تھے۔

برطانوی نوآبادیات نے بھی اس کی صنعتی ترقی میں حصہ لیا کیونکہ وہاں سے انہیں خام مال سستا مل جاتا تھا اور ان کی منڈیاں ان کے تیار شدہ مال کے لئے بہترین خریدار تھیں۔ حمزہ علوی نے انگلستان کی صنعتی ترقی میں ہندوستان کے سرمایہ کو ایک اہم عنصر قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل کے مطابق جو سرمایہ ہندوستان سے انگلستان میں منتقل ہوا اس نے اس کی صنعتی ترقی میں بھرپور حصہ لیا اس بارے میں مارشل لکھتا ہے کہ:

> "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1757 سے پہلے کے عرصہ میں 3,000,000 پاؤنڈ اسٹرلنگ انگلستان بھیجے گئے جبکہ 1757 اور 1784 کی درمیانی مدت میں انگلستان بھیجی جانے والی رقم 15,000,000 پاؤنڈ اسٹرلنگ تھی، جس کی اگر اوسط نکالی جائے تو فی سال 500,000 پاؤنڈ اسٹرلنگ سے بھی زائد رقم ہندوستان سے انگریز اپنے آبائی وطن منتقل کر دیتے تھے۔"



حمزہ علوی اس کی روشنی میں یہ نتائج اخذ کرتے ہیں کہ:

> "ہمارے نقطۂ نظر سے مارشل کی جانب سے دی گئی تاریخیں بہت اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جب صنعتی انقلاب کی شروعات ہوئی۔" (10)

صنعتی ترقی کے لئے جیسا کہ بروڈل نے لکھا ہے' سستی مزدوری ضروری ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں مزدوروں کی اجرتیں بڑھتی ہیں وہاں صنعت کمزور ہو جاتی ہے اُس کی مثال وینس اور ہالینڈ کی ہے۔ اس لئے بڑھتی ہوئی اجرتوں اور تنخواہوں سے مقابلہ کرنے کے لئے صنعت کار مشینوں کا سہارا لیتا ہے کہ جو بغیر تھکے ہوئے کام کرتی ہیں۔ اس لئے صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ ٹکنالوجی میں ایجادات ہوئیں۔ ابتدائی دور میں ٹکنالوجی کی ایجادات میں مستریوں اور ٹیکنیشن کا حصہ ہے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جو عملی کام میں تجربہ رکھتے تھے اور اس تجربہ کی بنیاد پر انہوں نے مشینیں ایجاد کیں کہ جنہوں نے خصوصیت سے ٹکسٹائل صنعت کو فروغ دیا اور صنعت کو توانائی کے ذرائع فراہم کئے۔ اٹھارویں صدی میں جا کر یہ تبدیلی آئی کہ سائنس اور ٹکنالوجی کا ملاپ ہوا' کیونکہ اب تک سائنس محض تھیوری تھی' لیکن اب تھیوری اور تجربہ ان دونوں نے مل کر صنعت کو ترقی دی۔ (11)

یہ صنعتی انقلاب جو 1760 کی دہائی میں انگلستان سے شروع ہوا تھا' 1820 کی دہائی میں فرانس' بلجیم اور امریکہ گیا' 1880 کی دہائی میں روس اور مشرقی یورپ میں اس کے اثرات ہوئے۔ صنعتی ترقی کے اس عمل میں جاگیرداروں کا رویہ قابل ذکر ہے۔ یہ صنعت کاروں اور تاجروں سے نفرت کرتے تھے۔ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ زمین تھی کہ جس کی پیداوار سے ان کے اخراجات چلتے تھے۔ لیکن ان میں سے کچھ کے رویوں میں اس وقت تبدیلی آئی کہ جب ان کی زمینوں پر معدنیات نکل آئیں' یا ان کے جنگلات سے لکڑی حاصل کی گئی۔ اس نے ان کی آمدنی میں اضافہ کیا جس کی وجہ سے وہ صنعت کاروں اور تاجروں سے مل گئے اور انہوں نے بھی صنعت میں سرمایہ کاری

کی۔

برطانیہ کی ترقی سے متاثر ہو کر دوسرے یورپی ملکوں نے اس کی ٹکنالوجی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ اس کے لئے انہوں نے کئی طریقے اختیار کئے' مثلاً خفیہ طریقوں سے جاسوسی کے ذریعہ انگلستان کی فیکٹریوں میں جا کر اس کی مشینوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔ برطانوی مستریوں کو بڑی بڑی تنخواہوں کا لالچ دے کر ملازمت کی پیش کش کرنا۔ مثلاً 1718ء میں فرانس نے برطانوی گھڑی سازوں' اون کا کام کرنے والوں' دھاتوں کے ماہرین' اور جہاز بنانے والوں کو بلانے کا سلسلہ شروع کیا تو برطانیہ نے ان لوگوں پر ملک چھوڑنے کی پابندی لگا دی۔ اس کے بعد یہ کوشش ہوئی کہ انگریزی زبان کو سیکھنا چاہئے تاکہ برطانوی معلومات کو آسانی سے حاصل کیا جا سکے۔ بقول ایک فرانسیسی کے:

> اگر کسی کو انگریزی زبان آ جائے تو اس کے لئے برطانوی میتو فیکچرز کے بارے میں مطالعہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ایک بار میتو فیکچر اور فورمین کا اعتماد حاصل ہو جائے تو مشینوں کے بارے میں معلومات ہونے لگتی ہے۔ (12)

لانڈیس نے یورپ میں صنعتی انقلاب کی کامیابی کی وجوہات کو بتاتے ہوئے سب سے زیادہ اہمیت علم کی آزادانہ ترقی کو بتایا ہے۔ کیونکہ جب تک علم پر پابندیاں تھیں۔ خیالات و افکار کے اظہار میں رکاوٹیں تھیں' اس وقت تک ذہنی طور پر معاشرہ پس ماندہ رہا۔ قرون وسطی میں رومن کیتھولک چرچ کا معاشرہ پر تسلط تھا۔ ہر فکر اور خیال کو مقدس کتاب کی روشنی میں دیکھا جاتا تھا۔ قدیم فلاسفروں کے نظریات کو بھی مذہب کی روشنی میں سمجھا جاتا تھا۔ نئے نظریات و افکار کو بغاوت اور انحراف سمجھ کر ان پر قدغنیں لگائی جاتی تھیں۔ لیکن جب ریناساں اور ریفارمیشن کی تحریکیں شروع ہوئیں تو ان کے نتیجہ میں علم بھی آزاد ہونا شروع ہوا۔ حکمرانوں نے اپنے مفادات کے تحت نئے نظریات کی سرپرستی کی تاکہ ان کی مدد سے اپنے مخالفوں پر برتری حاصل کر سکیں۔

علم و معلومات کے اضافوں نے فرد کے تجربات کو بڑھایا۔ چنانچہ ان بنیادوں پر قدیم نالج سسٹم کو چیلنج کیا گیا۔ لہٰذا اب نئے نالج سسٹم کی بنیاد صرف مشاہدات پر نہیں رہی بلکہ اس کی تشکیل میں تجربات نے اہم حصہ لیا۔ کیونکہ تجربات وہ طریقہ کار ہوتے ہیں کہ جو صداقت و سچائی اور ٹھوس معلومات تک لے جاتے ہیں۔ اب یہ کافی نہیں رہ گیا کہ "کس نے کیا کہا؟" بلکہ تجربہ کی روشنی میں اسے دیکھا اور پرکھا گیا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ مشاہدہ سے تجربہ کی طرف' خاموشی سے چستی کی طرف گیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ بغیر تنازع اور بحث کے کوئی بھی صداقت اور سچائی کو تلاش نہیں کر سکتا ہے۔

سائنسی تجربات کے لئے آلات دریافت ہوئے۔ گیلیلو کے آتے آتے سولھویں صدی کے آخر میں تجربات کا سسٹم مضبوط ہو گیا تھا۔ لانڈیس کا یہ بھی کہنا ہے کہ مغرب میں سائنسی دریافتوں اور ایجادات میں ایک تسلسل رہا ہے۔ اگرچہ یورپی سائنس دان اور اسکالرز اپنے اپنے ملکوں سے مستفید ہوتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو ابتداء میں لاطینی زبان تھی کہ جس میں اکثر اسکالرز لکھا کرتے تھے۔ اس کے بعد ڈاک کا نظام تھا کہ جو خط و کتابت کے ذریعہ انہیں ایک دوسرے سے ملائے رکھتا تھا۔ ان اسکالرز کی انجمنیں تھیں' ان کے تحقیقی مقالوں پر چھپنے والے رسالے اور جرنلز تھے' کانفرنسیں اور میٹنگیں تھیں جہاں یہ بحث و مباحثہ کرتے اور اپنی تحقیقات کو پیش کرتے تھے۔ مثلاً 1603ء میں سب سے پہلی اکیڈمی روم میں بنی۔ اس کے بعد 1653ء میں فلورنس میں' 1660ء میں رائل اکیڈمی لندن میں اور 1666ء میں پیرس میں۔ ان کی وجہ سے سائنس دانوں اور اسکالرز میں مقابلہ' رقابت' عزت و شہرت کے جذبات پیدا ہوئے۔ اس نے قرون وسطی کے مقابلہ میں کہ جہاں تحقیق کو چھپایا جاتا تھا اور منظر عام پر لانے سے گریز کیا جاتا تھا' اب اس کو شائع کرنا ضروری ہوا۔ علم کی اس آزادی نے نہ صرف سائنس اور ٹکنالوجی میں اضافے کئے بلکہ اس نے ایک ایسے کلچر کو فروغ دیا کہ جو یورپی تھا اور جس کی کوئی سرحد نہیں تھی۔ (13)

(2)

صنعتی انقلاب' سیاسی انقلابات کی بہ نسبت مختلف تھا۔ کیونکہ سیاسی انقلابات کی ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔ ایک مرحلہ پر پہنچ کر وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن صنعتی انقلاب ایک مسلسل عمل کا نام ہے جو شروع تو ہوا ہے مگر کسی خاتمہ پر نہیں پہنچا ہے' بلکہ اس میں مرحلہ وار تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ توانائی کے استعمال کے لحاظ سے بھی اس کے عمل میں تیزی آتی ہے۔ بھاپ سے یہ بجلی' اور بجلی سے نیوکلیئر توانائی کے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ توانائی کے استعمال اور تبدیلی کے ساتھ ہی اس کے عمل میں سرعت و تیزی آ گئی ہے۔ ایک مرحلہ تھا کہ جب تبدیلی کا عمل آہستہ ہوتا تھا' مگر اب یہ عمل بھی انتہائی تیزی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے میں لوگ ذہنی طور پر تبدیلی کے لئے تیار رہنے لگے ہیں اور انہیں تبدیلی کے عمل کے ساتھ اپنے رویے تبدیل کرنے میں دقت نہیں ہوتی ہے۔

صنعتی انقلاب نے پیداواری نظام کو تبدیل کر کے فیوڈل ازم پر کاری ضرب لگائی' جس کی وجہ سے فیوڈل نظام دم توڑ گیا۔ اس نے معاشرہ میں سماجی طور پر انقلابی تبدیلیاں کیں۔ مقابلہ اور محنت کی تقسیم کی وجہ سے گلڈ سسٹم بھی کمزور ہو کر ختم ہو گیا جس کی وجہ سے کاریگر اس سے آزاد ہو کر نئے نظام میں خود کو ضم کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی طرح سے تاجروں میں وہ جذبہ پیدا ہوا کہ منافع کی خاطر وہ تجارت میں خطرات مول لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ریاست نے صنعت و حرفت اور سرمایہ کی گردش میں دخل اندازی کی کوشش کی تو صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اب ریاست کے ڈھانچہ کو بدلا جائے۔ یہ تبدیلی یا تو انقلاب کی شکل میں آ سکتی تھی یا اصلاحات کے نتیجہ میں۔ اس لئے فرانس میں انقلاب نے ریاست کو بدلا' تو برطانیہ میں اصلاحات نے جس کی تقلید کرتے ہوئے یورپ کے ملکوں نے اپنے اپنے دستوروں میں اصلاحات کیں تاکہ صنعت و تجارت اور

تاجروں کی راہ میں جو مشکلات ہیں وہ دور ہو سکیں۔



اس انقلاب نے زمین کی حیثیت کو بدل دیا اور اب اسے تجارتی بنیادوں پر استعمال کیا جانے لگا۔ کسی ایک مالک کی اجارہ داری کے بجائے اس بات کی آزادی ہو گئی کہ اسے جو چاہے خریدے اور فروخت کرے۔ اس کی وجہ سے زمین ان لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی جو اس کی پیداوار کو منڈی کے لئے منافع کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ چونکہ زراعت میں مشینوں کا استعمال ہونے لگا اس وجہ سے وہ کسان جو بیروزگار ہوئے وہ شہروں میں آ کر فیکٹریوں میں تنخواہ پر کام کرنے لگے۔ (14) اس تبدیلی نے ان کی سماجی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ انگلستان میں یہ عمل زراعتی انقلاب کی وجہ سے ہوا' تو یورپ کے دوسرے ملکوں میں اس کو اصلاحات کے ذریعہ قابل عمل بنایا۔ جیسے پروشیا میں ریاست نے جاگیردار کو صنعت کار بنایا' جس کی وجہ سے کسان کو بھی آزادی مل گئی اور وہ نقد اجرت پر کام کرنے لگا۔ (15) ڈنمارک میں 1780 کی دہائی میں جاگیرداری ختم کر دی گئی اور زمین کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے کسانوں کو فروخت کر دیا گیا۔ یہی صورت حال سویڈن اور ناروے میں ہوئی' اس عمل کی وجہ سے یورپ میں زراعتی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ (16)

صنعتی انقلاب نے قدیم معاشرہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ جاگیردارانہ معاشرے میں طبقاتی تقسیم بہت اہم تھی۔ خاص طور سے امراء کا طبقہ تمام مراعات کا حامل تھا۔ اس لئے عزت و شہرت' اور دولت کے لئے پیدائش کا عنصر اہم تھا کہ کون کس خاندان میں پیدا ہوا ہے۔ یہ اس کی حیثیت کو اور سماجی مرتبہ کو متعین کرتا تھا۔ چاہے اس میں لیاقت و قابلیت ہو یا نہ ہو۔ اس وجہ سے اس طبقاتی معاشرے میں کسی ذہین فرد کی کوئی قدر نہ تھی' اور نہ ہی قابلیت و صلاحیت کی بنیاد پر کوئی نیچے سے اوپر جا سکتا تھا۔ فوج کے اعلیٰ عہدے امراء کے لڑکوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ یہی صورت حکومت کے انتظامی عہدوں کی تھی۔ یہ صورت حال اس وقت ناقابل برداشت ہو گئی کہ جب تاجروں نے دولت اکٹھی کر لی۔ تجارت میں ان کی کامیابی' ان کی لیاقت و صلاحیت اور محنت پر

تھی۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ اب انہیں سماج میں اعلیٰ مرتبہ بھی ملے۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا عزت کی بنیاد لیاقت پر ہے یا پیدائش پر؟ تاجروں نے امراء کے طبقہ کو اس وقت کمزور کیا کہ جب انہوں نے ان کی زمینیں' اور حویلیاں خریدنی شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو امراء ان سماجی تبدیلیوں کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے اور قدیم روایات و خاندانی وجاہت کو لئے بیٹھے رہے وہ وقت کے ساتھ ختم ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ تاجروں کے طبقے نے لے لی۔ تاجروں کے طبقہ کے ساتھ ہی ساتھ وہ طبقہ مضبوط ہوا کہ جس میں ڈاکٹر' وکیل' استاد اور دوسرے پیشہ ور لوگ تھے۔ یہ لوگ اب اپنی قابلیت کی بنیاد پر حکومتی عہدوں پر آنے لگے۔ اب پیدائش کے بجائے قابلیت ترقی کی بنیاد بن گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ کون زیادہ قابل ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے مقابلے کے امتحانوں کا سلسلہ شروع ہوا' جو مراعات یافتہ طبقوں کی مخالفت کے باوجود کامیاب ہوا۔ اس نے فرد کو آزاد کر دیا اور اب ترقی بنیاد کی قابلیت اور محنت ہو گئی۔

صنعتی انقلاب نے شہروں کی آبادی کو بڑھایا۔ آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے شہر میں رہائش اور دوسری بنیادی سہولتوں کے مسائل پیدا ہوئے۔ مزدور اور ورکر فیکٹریوں کے نزدیک کچی آبادیوں میں رہنے لگے کہ جہاں پر نہ تو گندے پانی کی نکاسی کا کوئی انتظام تھا اور نہ ہی سڑکیں تھیں اور نہ رات میں روشنی ہوتی تھی۔ گندگی اور غلاظت کی وجہ سے بیماریاں اور وبائیں پھوٹ پڑتی تھیں۔ لیکن ان تمام مسائل کے باوجود گاؤں اور دیہاتوں سے بیروزگار لوگوں کی شہروں میں آمد ہو رہی تھی۔

صنعت نے جب تجارت کو فروغ دیا تو اس کی وجہ سے بنکنگ کا نظام بہتر شکل میں ابھرا' وہ شہر کے جہاں بندرگاہیں تھیں' وہاں تجارتی سرگرمیاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ تجارتی اشیاء کی بہتات کی وجہ سے مارکیٹ اور منڈی کی ساخت بدل گئی۔ دوکاندار اب چیزوں کو سجا کر شوکیس میں رکھنے لگے۔ دوکاندار اور گاہک کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم ہوا وہ یہ کہ دوکاندار مسکرا کر اور خوش اخلاقی کے ساتھ گاہک سے بات چیت

کرے۔ دوکانوں میں خاص طور سے تربیت یافتہ "سیلز گرلز" یا "سیلز مین" رکھے جانے



لگے، جن کو یہ تربیت دی جاتی تھی کہ گاہک کو کس طرح سے چیزوں کو بیچیں۔ تاجروں اور صنعت کاروں کے دفتروں اور آفسوں میں تعلیم یافتہ اور پیشہ ور افراد ملازم رکھے جاتے تھے جو حساب کتاب، اور تجارت کے معاملات کو پیشہ ورانہ انداز میں حل کرتے تھے۔ آفسوں میں کام کرنے والے یہ لوگ ورکرز کے مقابلہ میں "وائٹ کالر" والے کہلائے۔ کیونکہ یہ صاف ستھرے لباس میں ہوتے تھے اور ان کے کام بھی فیکٹریوں سے دور دفتروں میں ہوتے تھے۔

صنعتی ممالک میں اب جن پیشہ وروں کی ضرورت تھی، ان میں خاص طور سے حساب کتاب، آڈٹ، منصوبہ بندی اور انتظامی معاملات کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نصاب کو تبدیل کیا گیا۔ اور ایسے نصاب کو روشناس کر دیا گیا کہ جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

خاص طور سے اس ماحول میں عورت کی حیثیت میں بھی تبدیلی آئی۔ اس کے علاوہ کہ عورتیں فیکٹریوں میں کام کرتی تھیں اب آفسوں میں انہیں بطور کلرک اور ریسپشنسٹ رکھا جانے لگا۔ آگے چل کر ٹائپسٹ بھی عورتیں ہی ہونے لگیں اور ٹیلی فون آپریٹرز بھی اس نے عورتوں کو گھروں سے نکال کر باہر کی دنیا سے روشناس کر دیا۔

(3)

صنعتی انقلاب نے سب سے زیادہ مزدوروں کی زندگی پر اثر ڈالا۔ خاص طور سے فیکٹری سسٹم نے۔ اب تک کاریگر یا مزدور اپنے اپنے گھروں پر کام کرتے تھے۔ اس لئے ان کے کام کے اوقات متعین نہیں تھے اور نہ ہی ہفتہ میں چھٹی کا کوئی تصور تھا۔ جب وہ کام کرتے تو ان کے خاندان کے سب افراد اس میں شامل ہوتے تھے۔ لیکن جب صنعتی ترقی کی وجہ سے گھروں پر کام کرنا مشکل ہو گیا اور مشینوں نے پیداوار کو بڑھایا تو صنعت کاروں نے فیکٹریوں کا نظام قائم کیا تاکہ مزدور ان کی نگرانی میں کام

کریں۔ فیکٹری سسٹم نے مزدوروں کی عادات کو بدل کر رکھ دیا۔ کیونکہ اب انہیں کام کے لئے گھر سے باہر جانا ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے ایک تو وہ گھر سے نکل کر باہر کی دنیا سے واقف ہوئے۔ دوسرے فیکٹری میں کام کے اوقات تھے' جن کی پابندی کرنا ان کے لئے لازمی تھا۔ اس سے ان میں وقت کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا۔ جس نے ان کے کھانے' تفریح' اور سونے کے اوقات کو متعین کر دیا۔ اوقات کے اس تعین کی وجہ سے ان کی سماجی زندگی بھی متاثر ہوئی۔ چونکہ ابتداء میں کام کے اوقات اٹھارہ سے سولہ گھنٹے ہوتے تھے' اس لئے ان کے اپنے بچوں اور بیویوں سے تعلقات بھی بدل گئے۔ ابتدائی دنوں میں ہفتہ وار چھٹی بھی نہیں ہوتی تھی' اس لئے ان کے لئے تفریح یا آرام کا بھی کوئی دن نہ رہا۔

لیکن فیکٹری میں کام کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اب وہ ایک چھت کے نیچے مل کر کام کرتے تھے۔ اس نے انہیں اپنے ساتھیوں کے مسائل سے واقف ہونے کا موقع دیا۔ ایک جیسے مسائل اور مصائب نے ان میں جذبہ ہمدردی اور اخوت کو پیدا کیا۔ انہیں جذبات پر مزدوروں کی برادری یا یونین کا قیام عمل میں آیا۔

فیکٹری سسٹم میں چونکہ محنت کی تقسیم پر کام ہوتا تھا اور اشیاء کو بڑی تعداد میں تیار کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے دست کار اور ہنرمند کی اپنی پیشہ ورانہ حیثیت ختم ہو گئی۔ اب تک ایک موچی جو جوتا تیار کرتا تھا تو اس میں اس کی ہنرمندی شامل ہوتی تھی اور اس کو دیکھ کر بتایا جا سکتا تھا کہ یہ کس نے بنایا ہے۔ ایک بڑھئی جب میز یا کرسی بناتا تھا تو اس کی بناوٹ میں اس کی صناعی اور ہنر شامل ہوتا تھا' اور اس جیسی میز یا کرسی اور کوئی نہیں بنا سکتا تھا مگر اب یہ چیزیں فیکٹریوں میں تھوک کے حساب سے ایک جیسی بننے لگیں جس کی وجہ سے ان کی انفرادیت باقی نہیں رہی۔ اب ورکر یا کاریگر تمام کام خود کرنے کے بجائے صرف ایک کام کرتا تھا۔ مثلاً کوئی جوتے کا اوپری حصہ بنا رہا ہے تو کوئی اس کے "سول۔" اس لئے جب یہ جوتا مکمل ہو کر آتا تھا تو اس میں پانچ یا چھ لوگوں کا حصہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے اس کا تعلق کسی سے نہیں ہوتا

تھا۔ مشین کی حرکت اسے اور بھی کاریگر سے دور کر دیتی تھی۔ لہذا کاریگر اور پیداوار دو علیحدہ چیزیں ہو گئیں۔ اس عمل نے مزدور یا کاریگر کو اپنی پیداوار سے بیگانہ کر دیا اور اسے اپنے کام میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کیونکہ جو بھی پیداوار ہوتی تھی' وہ اس کے تخلیقی عمل کا حصہ نہیں ہوتی تھی۔

فیکٹری میں کام کرتے وقت' صنعت کار کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مزدور یا ورکر سے زیادہ کام لے۔ اس لئے اسے اجازت نہیں ہوتی تھی کہ کام سے تھک کر تازہ ہوا کھا سکے' یا فیکٹری میں ادھر سے ادھر جا سکے۔ اس مقصد کے لئے فیکٹری کا ایک نظام بنایا گیا کہ جس کے قواعد کی پابندی ورکرز پر لازمی تھی۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں یا تو اسے جرمانہ دینا ہوتا تھا' یا ملازمت سے نکال دیا جاتا تھا۔ ورکرز کو کنٹرول کرنے کے لئے ان کے اوپر "فورمین" کا تقرر ہوتا تھا جو ان کی نگرانی کرتا تھا۔ بعد میں صنعت کاروں نے "اسمبلی لائن" کو روشناس کرایا جس کی وجہ سے ورکرز کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی تھی کیونکہ اسے ایک خاص وقت میں ایک کام کو پورا کرنا ہوتا تھا' اگر اس میں چند لمحوں کی دیر ہو جاتی تھی تو پوری اسمبلی لائن میں بنتی چیزوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔

فیکٹریوں میں عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد بھی کام کرتی تھی' کیونکہ ان کو بالغ مردوں کے مقابلہ میں کم اجرت دی جاتی تھی' اس لئے صنعت کار ان کا استحصال کرتے تھے۔

(4)

صنعتی انقلاب نے جہاں ایک طرف سرمایہ میں اضافہ کیا۔ تاجروں صنعت کاروں کو خوش حال بنایا۔ ٹکنالوجی کی ایجادات نے پیداوار کو بڑھایا۔ وہیں اس کے ساتھ اس نے مزدوروں اور ورکرز کا ایک ایسا طبقہ پیدا کیا کہ جو اس نظام کے ہاتھوں اذیت و مصیبت کا شکار ہوا۔ صنعت کار کی پوری پوری کوشش ہوتی تھی کہ ان کو کم سے کم

اجرت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔ گاؤں اور دیہاتوں میں کام کی کمی اور بیروزگاری کی وجہ سے اسے سستے مزدور بہ آسانی مل جاتے تھے' اس لئے اس کو آزادی تھی کہ ان کو اپنی شرائط پر ملازم رکھے۔ یہ لوگ شہروں میں گندی آبادیوں میں بغیر کسی تحفظ کے رہتے تھے۔ ان کو نہ تو ملازمت کا تحفظ تھا اور نہ ہی بیروزگاری کی صورت میں کسی انشورنس کی سہولت' فیکٹری میں حادثہ کی صورت میں انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ نہ ہی ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کی سہولت تھی۔ فیکٹری کے اوقات اس قدر زیادہ تھے کہ تفریح اور آرام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کے بچوں کے لئے کسی قسم کی تعلیم کی کوئی سہولت نہیں تھی۔ لہٰذا غربت و افلاس کے حال میں رہتے ہوئے یہ ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا رہتے تھے۔ گداگری' چوری چکاری' ٹھگی' دھوکہ دہی' اور جرائم ان کی زندگی کا حصہ تھے۔ بھوک اور فاقہ سے مجبور ہو کر یہ کم سے کم اجرت پر ملازمت کرنے پر تیار رہتے تھے۔ اگر ملازمت نہیں ملتی تھی تو خیرات و بھیک مانگنا عام ہو گیا تھا۔ بھوک و فاقہ اور موسم کی سختیوں کی وجہ سے اموات عام ہو گئی تھیں۔ یہ صورت حال صرف شہروں میں نہیں بلکہ گاؤں اور دیہات بھی اس کا شکار تھے۔ فرانس کے ایک گاؤں کے بارے میں ایک راہب کی رپورٹ ہے کہ :

"گاؤں میں یہ غریب خاندان ہیں جن کے 56 بچے ہیں۔ یہ سب بھیک مانگتے ہیں تاکہ گھر کو روٹی مل سکے۔" ان میں سے اکثر کے پاس رہنے کو کوئی جگہ بھی نہیں ہوتی اس لئے سردی میں یہ اکثر چرچ کے دروازے' کھیتوں' اور کھلیانوں میں مرجاتے تھے۔ قحط کے زمانے میں گداگروں کو شہر سے نکال دیا جاتا تھا۔ عورتیں غربت سے مجبور ہو کر طوائف کا پیشہ اختیار کر لیتی تھی۔ فرانس کے ایک گاؤں میں دو بہنوں کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ ملازمت تلاش کرنے میں ناکام ہو گئیں تو انہوں نے طوائف کا پیشہ اپنا لیا۔ وہ گاہکوں کو اسی کمرے میں بلاتی تھیں کہ جہاں ان کا اندھا باپ بھی ہوتا تھا۔

جب غریبوں میں بے اطمینانی پھیلی تو اس کے ساتھ ہی چوری اور ڈاکہ شروع ہو گئے۔ لہٰذا نجی جائداد کے تحفظ کے لئے ریاستوں نے قوانین بنانا شروع کر دیئے۔

انگلستان کی پارلیمنٹ نے 1723ء میں 50 مختلف جرائم پر سزائیں تجویز کیں کہ جن میں سزائے موت بھی شامل تھی۔ شکار کو صرف امراء کے لئے مخصوص سمجھا جاتا تھا' اس لئے اگر کوئی غریب شکار کرتے ہوئے پکڑا جاتا تھا تو اسے سزا ملتی تھی' درخت کاٹنا' یا کسی شاخ کو توڑنا بھی جرائم میں شامل تھا۔ (17)

صنعتی انقلاب کے ان اثرات نے سیاستدانوں' دانشوروں' اور مفکروں کی توجہ اس جانب کرائی کہ وہ ان سماجی تبدیلیوں کا جائزہ لیں اور اس کا تجزیہ کریں کہ ان حالات پر کیسے قابو پایا جائے۔ ابتدائی دور میں جو بحث و مباحثے ہوئے وہ نظریاتی تھے' ان پر عملی طور پر کوئی توجہ نہیں دی گئی' مگر بعد میں انہیں کی بنیاد پر تحریکیں چلیں' ان طبقوں میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ ریاست کو چھوڑ کر' معاشرہ کو بحث کا نقطہ بنایا گیا۔ کیونکہ اب ریاست سے زیادہ معاشرہ کو سمجھنا ضروری تھا کہ جو تبدیلی کے عمل سے گزر رہا تھا۔ خیال یہ تھا کہ اگر اس کی تبدیلی اور ٹوٹ پھوٹ کو سمجھ لیا جائے تو پھر اس کے حل ڈھونڈنا آسان ہو جائیں گے۔

مزدور اور کارکن جس صورت حال سے گزر رہے تھے' اس کو تبدیل کرنے کی ان میں زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ اگرچہ انگلستان میں 1799ء اور 1824ء کے قوانین کے تحت مزدور یونین پر پابندی تھی۔ لیکن مزدوروں نے اپنے مسائل کا حل اس میں تلاش کیا کہ وہ متحد ہو کر اپنے مطالبات پیش کریں۔ 1829ء سے 1834ء تک انہوں نے اپنی یونین بنانے کی کوشش کی' مگر اس میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی' 1850ء میں جا کر پیشہ ور مزدوروں اور ماہرین نے اپنی یونینز بنائیں۔ 1871ء میں جا کر مزدور اس قابل ہوئے کہ اپنی یونین بنا کر' اپنی ملازمتوں کے لئے قانونی تحفظ کا مطالبہ کر سکیں۔ اگرچہ صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے ٹریڈ یونین کی مخالفت کی' مگر 1871ء میں نہ صرف اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔ بلکہ اسے اسٹرائک کا حق بھی دے دیا گیا۔ چنانچہ ٹریڈ یونینز کی سرگرمیوں کی وجہ سے مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا' ان کے کام کے اوقات گھٹے' ہفتہ میں چھٹی ملنے لگی' بوڑھاپے میں پنشن کے

حقدار ہوئے۔

مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے جو تحریکیں چلیں' ان میں انگلستان میں چارٹسٹس (Chartists) تحریک اہمیت کی حامل ہے کہ جس نے ورکرز کے سیاسی حقوق کے لئے جدوجہد کی۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ جب تک مزدور کو سیاسی حقوق نہیں ملیں گے اور اس کے نمائندے پارلیمنٹ میں نہیں جائیں گے' اس وقت تک انہیں معاشی حقوق نہیں ملیں گے۔ اگرچہ چارٹسٹ تحریک کو ریاست نے ناکام بنا دیا' مگر انہیں خطوط پر آگے چل کر مزدوروں نے 1890ء کی دہائی میں لیبر پارٹی کی بنیاد ڈالی۔

فیکٹری سسٹم اور مزدوروں کے استحصال کے رد عمل میں سوشلسٹ تحریکیں شروع ہوئیں۔ جن میں یوٹوپیائی سوشل تحریکوں سے لے کر مارکس کی سائنٹیفک سوشل ازم شامل تھا۔ ان تحریکوں کی وجہ سے یورپ کے سرمایہ دار نے ورکرز کے مطالبات بھی تسلیم کئے اور انہیں سہولتیں بھی فراہم کیں۔ کیونکہ بقول بسمارک "اس سے پہلے کہ مزدور انقلاب لائیں اور ہم اس کا نشانہ بنیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم خود انقلاب لے آئیں۔" چنانچہ یورپ کی ریاستوں کی جانب سے مزدوروں کو سہولتیں دی گئیں تاکہ انقلاب کو روکا جا سکے۔ یہی وہ خطرہ تھا کہ جس نے آگے چل کر فلاحی ریاست کے قیام پر یورپ کی ریاستوں کو مجبور کیا۔

(5)

چونکہ انگلستان پہلا صنعتی ملک تھا اس لئے 1873ء تک اس نے صنعت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس وقت تک دوسرے یورپی ملک اس قابل نہیں ہوئے تھے کہ وہ اس سے مقابلہ کر سکیں یا اس کے لئے خطرہ بن سکیں۔ امریکہ اس وقت تک سیاسی طور پر مستحکم نہیں ہوا تھا اور خانہ جنگی نے (65 1861) اس کے ذرائع اور توانائی کو خستہ کر دیا تھا۔ جرمنی 1871ء تک متحد نہیں ہوا تھا اور کئی سو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس لئے یہ دونوں ممالک انگلستان کی صنعتی پیداوار کے خریدار تھے۔

انگلستان میں جیسے جیسے صنعتی عمل بڑھ رہا تھا' اس کے ہاں ٹیکنالوجی کی ایجادات ہو رہی تھیں جو اسے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط کئے ہوئے تھیں۔ اس کی آبادی کے بڑھنے سے جو کہ 1851ء سے 1871ء میں 24.4 ملیون سے 31.5 ملیون ہو گئی۔ اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے صنعت میں اور زیادہ پیداوار ہوئی۔ ریاست نے بھی صنعت کی ترقی میں حصہ لیا' اور جس قدر کسٹم ڈیوٹیاں تھیں انہیں ختم کر دیا۔ اب انگلستان باہر سے سستا خام مال برآمد کر کے سستی صنعتی پیداوار کو درآمد کر سکتا تھا۔ ریلوے نے ذرائع نقل و حمل کو اور زیادہ تیز و موثر بنا دیا۔ اس کے علاوہ بنکنگ اور کریڈٹ کی سہولتوں نے صنعت کار کو سرمایہ حاصل کرنے کی سہولتیں دے دیں۔ برطانوی نوآبادیات نے بھی اس کی صنعتوں میں سرمایہ کاری کی۔

لیکن 1873ء کے بعد سے صورت حال بدلنا شروع ہو گئی۔ اب اس کے مقابلہ میں امریکہ اور جرمنی آ گئے کہ جنہوں نے اپنے ہاں صنعتی عمل کو شروع کر دیا اور برطانوی تسلط کو چیلنج کیا۔ برطانیہ کو ان کے مقابلہ میں جو مشکل تھی وہ یہ کہ پہلا صنعتی ملک تھا' اس لئے اب اس کی مشینیں اور آلات پرانے ہو چکے تھے جبکہ اس کے مقابلہ میں جرمنی اور امریکہ نے نئی مشینوں سے کام لینا شروع کر دیا تھا' جو برطانیہ کے مقابلہ میں زیادہ پیداوار کر رہی تھیں۔ برطانوی صنعت کار اس کے لئے تیار نہیں تھا کہ پرانی مشینوں کی جگہ نئی مشینوں سے کام لے۔ اس لئے برطانیہ آہستہ آہستہ ان کے مقابلہ میں پیچھے جاتا رہا۔

اس کے علاوہ برطانیہ میں صنعتی فرموں اور فیکٹریوں کے مالک اور ان کے خاندان ہی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدوں پر ہوتے تھے جس کی وجہ سے دو یا تین نسلوں میں جا کر صلاحیت کا فقدان ہو جاتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں جرمنی اور امریکہ میں صلاحیت و قابلیت کی بنیاد پر مقابلے کے بعد امیدواروں کا تقرر ہوتا تھا' جس کی وجہ سے ان کی کارکردگی زیادہ بہتر ہوتی چلی گئی۔

برطانیہ نے اس دوران میں نئی صنعتوں کی طرف توجہ نہیں دی اور پرانی صنعتوں

پر ہی انحصار کئے رکھا۔ جب کہ جرمنی نے الیکٹریکل انجینئرنگ' کیمیکل انڈسٹری' اور ڈائنگ میں کافی ترقی کی۔

برطانیہ نے اپنی صنعتی پیداوار میں نہ تو کوئی اصلاح کی' نہ اس کو بہتر بنایا' اور نہ اس کی قیمت میں کمی کی' جس کی وجہ سے وہ یورپی اور امریکی منڈیوں میں دوسرے ابھرتے صنعتی ملکوں سے مقابلہ نہیں کر سکا۔ اس نے اس پر کبھی توجہ نہیں دی کہ صنعتی ترقی کے لئے سائنس کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ٹریڈ یونین نے رکاوٹیں ڈالیں' کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نئی مشینوں کا استعمال ہو جو کہ انہیں بیروزگار کر دے گا۔ برطانوی تعلیمی نظام میں اس کی کوئی زیادہ گنجائش نہیں تھی کہ صنعتی عمل اور اس کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے سائنس دان اور ٹکنالوجی کے ماہرین پیدا ہوں۔ اس کے پبلک اسکولوں میں کلاسیکی زبانوں اور ادب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اب تک جاگیردارانہ روایات کے اثرات باقی تھے جو ایک شریف اور امیر آدمی کے لئے کام کو برا سمجھتے تھے۔ 1870ء کی دہائی تک برطانیہ کے تعلیمی اداروں میں سائنس مشکل سے پڑھائی جاتی تھی' اگر تھوڑی بہت تھی تو وہ میڈیکل کے شعبہ میں تھی۔ جب کہ 1872ء میں جرمنی میں گیارہ ٹکنالوجی کی یونیورسٹیاں اور بیس دوسری یورنیورسٹیاں تھیں کہ جہاں سائنس پر تحقیق ہو رہی تھی' ان سب کو ریاست مالی امداد فراہم کرتی تھی۔

(6)

صنعتی انقلاب کی وجہ سے برطانیہ کے معاشرے میں سماجی' معاشی' اور سیاسی تبدیلیاں آئیں۔ شہروں کی آبادی بڑھنے اور مزدوروں کی معاشی و سماجی حالت کی ابتری نے معاشرے میں اصلاحات کی تحریکیں شروع کیں۔ اس کی ابتداء 1832ء کی پارلیمانی اصلاحات سے شروع ہوئی کہ جس نے اصلاحات کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد یہ تجاویز پیش کی گئیں کہ غریب اور بیروگار لوگوں کی حالت کو سدھارنے کی طرف توجہ

دی جائے۔ لوگوں کی صحت کے بارے میں سوچا جائے اور ماحول کو بہتر بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں 1807ء سے غلامی کے خلاف تحریک شروع ہوئی' جو بالآخر 1833ء میں غلامی کے خاتمہ پر ختم ہوئی۔

خاص طور سے فیکٹریوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے تحریک چلائی گئی' خصوصیت سے بچوں کے تحفظ کے لئے کہ جو فیکٹریوں میں بالغوں کی طرح کام کرتے تھے۔ یہ تجویز بھی تھی کہ مزدوروں کے کام کے اوقات میں کمی کی جائے کیونکہ طویل عرصہ کام کرنے کے بعد ان کی توانائی ختم ہو جاتی ہے اور وہ پیداواری عمل میں زیادہ موثر نہیں رہتے ہیں۔ اگرچہ ان تجاویز کی صنعت کاروں کی طرف سے مخالفت ہوئی جو سستی مزدوری اور زیادہ محنت سے منافع کمانا چاہتے تھے۔ لیکن اصلاحات کی یہ تحریکیں اگرچہ فوری طور پر تو کامیاب نہیں ہوئیں مگر انہوں نے ورکرز میں سیاسی شعور کو پیدا کیا اور انہوں نے اپنے حقوق کی جدوجہد کو جاری رکھا جو بالآخر کامیابی تک آئی۔

صنعتی انقلاب نے متوسط طبقہ کو ایک نئی توانائی کے ساتھ ابھارا۔ انہوں نے معاشرہ میں اپنا سماجی مقام حاصل کر لیا کہ جس کی بنیاد ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں پر تھی۔ اس طبقہ نے خصوصیت سے سیاسی اصلاحات کا مطالبہ کیا تاکہ یہ بھی حکومت و اقتدار میں شریک ہو سکیں۔ لہٰذا اس دور میں جمہوری روایات و ادارے مضبوط ہوئے اور معاشرہ میں یہ سوچ آئی کہ جمہوریت کے ذریعہ ہی وہ اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ جمہوریت کے ساتھ سیکولر خیالات کو بھی تقویت ہوئی۔

صنعتی انقلاب نے جس نظام کو پیدا کیا اس میں سرمایہ کی اہمیت تھی۔ اس وجہ سے سرمایہ دار ہر حیلہ و حربے سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ منافع اور سرمایہ کو بڑھانے کی ہوس نے سامراجیت کو وسعت دی۔ اب نو آبادیات کو منڈیاں سمجھ کر ان کا استحصال کیا گیا۔ صنعتی ملکوں نے اپنی مصنوعات کی حفاظت کے لئے برآمدی مال پر زیادہ سے زیادہ کسٹم ڈیوٹیاں لگائیں لیکن جب انہوں نے اپنی صنعتوں کو مضبوط کر لیا تو وہ آزاد منڈی کی بات کرنے لگے۔ اس طرح سے صنعتی ملکوں نے پوری پوری

کوشش کی کہ نوآبادیات میں یا دوسرے ملکوں میں صنعتی پیداوار کا عمل نہ ہو۔ وہ صرف خام مال پیدا کریں اور ان کے تیار شدہ مال کو خریدیں۔ اس نے عالمی سطح پر معاشی میدان میں غیر متوازن معیشت کو فروغ دیا۔

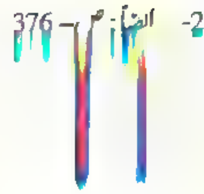
صنعتی معاشروں میں امیر و غریب کی تفریق بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے یہ معاشرے امیر و غریب' سرمایہ دار اور مزدور کی کش مکش میں مبتلا رہے۔ اگرچہ سرمایہ دار اور صنعت کار طبقہ نے ریاست کی مدد سے مزدوروں کی تحریکوں کو دبانے کی کوشش کی مگر بالآخر وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ ورکرز کو سہولتیں دیں تاکہ سرمایہ دارانہ نظام برقرار رہ سکے۔ اصلاحات میں اس وقت تیزی سے اضافہ ہوا کہ جب 1789ء میں فرانس میں انقلاب آیا۔ اس انقلاب نے اور صنعتی عمل کے نتیجہ میں جو طبقاتی فرق بڑھا تھا۔ ان دونوں نے مل کر حکمران طبقوں کو سوچنے پر مجبور کیا کہ معاشرے میں امن قائم رکھنے کے لئے توازن کی ضرورت ہے۔

اس مرحلہ پر یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ کیا افراد اور معاشرہ اپنی حالت کو خود سدھارے یعنی سیلف ہیلپ اور یا ریاست کو آگے بڑھ کر معاشرے کی اصلاح کرنا چاہئے۔ "سیلف ہیلپ" کا نعرہ مراعات یافتہ طبقوں کی طرف سے تھا جو نہیں چاہتے تھے کہ ریاست ان کے معاملات میں دخل دے۔ انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ سیلف ہیلپ کے ذریعہ ورکرز اور غریب طبقے اپنی حالت کو بہتر نہیں بنا سکتے ہیں۔ اس لئے ریاست کو مجبور کیا گیا کہ وہ سماجی اصلاحات کرے کیونکہ ریاست کے پاس قانونی اور اقتصادی طاقتیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ وہ اصلاحات کا نفاذ کر سکتی ہے۔ یہ حالات کا دباؤ تھا کہ برطانوی ریاست نے اپنی نیوٹرل پوزیشن کو بدلا اور معاشرے کے مسائل کو حل کیا۔

حوالہ جات

1- بروڈل: ص۔ 373

-2 ایضاً: ص– 376



-3 لانڈیس: ص– 220

-4 بروڈل: ص– 376' لانڈیس: ص– 279

-5 بروڈل: ص– 219

-6 لانڈیس: ص– 219

-7 ایضاً: ص– 226۔ میری من: ص– 381

-8 لانڈیس: ص– 223

-9 ایضاً: ص– 208' 209

-10 حمزہ علوی: ہندوستانی فیوڈل ازم سے نوآبادیاتی کیپٹل ازم تک: تاریخ نمبر1' لاہور 1999' ص– 163

11 بروڈل: ص– 227' 228

-12 لانڈیس: ص– 276' 278

13 ایضاً: ص– 181

-14 ہابس باؤم: Reformation to Industrial Revolution Pelican 1969. ص– 181

-15 ایضاً: ص– 182

-16 ایضاً: ص– 185

-17 بروڈل: ص– 95 میری من: ص– 391' 392' 393' 394

آٹھواں باب

فرانسیسی انقلاب

ایک جرمن مورخ کارل وون روٹک (Karl Von Rottek) کا کہنا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں تین اہم واقعات ہوئے: عیسائیت کا فروغ' چھاپہ خانہ کی ایجاد' اور فرانسیسی انقلاب۔ ان تینوں میں سے عیسائیت اور چھاپہ خانہ نے دنیا کو آہستہ آہستہ اور مرحلہ وار تبدیل کیا جبکہ فرانسیسی انقلاب نے دنیا کو اچانک تیزی سے بدل کر رکھ دیا۔ اس سے نہ صرف سیاسی تبدیلیاں آئیں بلکہ سماجی اور معاشی طور پر بھی دنیا بدل کر رہ گئی۔

فرانسیسی انقلاب کے بارے میں کئی نقطہ ہائے نظر ہیں کہ کیا یہ روشن خیالی کی وجہ سے پیدا ہوا' یا اس کو لانے میں غربت و مفلسی اور لوگوں کی معاشی حالت تھی؟ ایک نقطہ نظر تو یہ ہے کہ اگر کوئی معاشرہ بے انتہا غریب ہو لوگ معاشی مسائل کا شکار ہوں' اور انہیں کھانے کو نہیں مل رہا ہو' تو ایسی صورت میں ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی بقا کو کیسے برقرار رکھا جائے؟ ان کی پوری توانائی اور جدوجہد غذا کے حصول میں خرچ ہو جاتی ہے' انہیں اس بات کی فرصت نہیں ہوتی ہے کہ معاشرہ کو تبدیل کریں اور انقلاب لے کر آئیں۔ اس نقطہ نظر کے تحت انقلابات اسی وقت آتے ہیں کہ جب معاشرہ میں اتنی خوش حالی ہو کہ لوگوں کو وقت مل سکے اور وہ اپنے مسائل پر غور کر سکیں۔ اس لئے کچھ مورخین کا یہ خیال ہے کہ فرانسیسی انقلاب اس وقت آیا کہ جب لوگوں کی معاشی حالت قدرے بہتر تھی۔

اس کے برعکس مورخین کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ انقلاب اچانک نہیں آیا بلکہ اس کے پس منظر میں صدیوں کے جمع شدہ مسائل تھے جو حل نہ ہونے



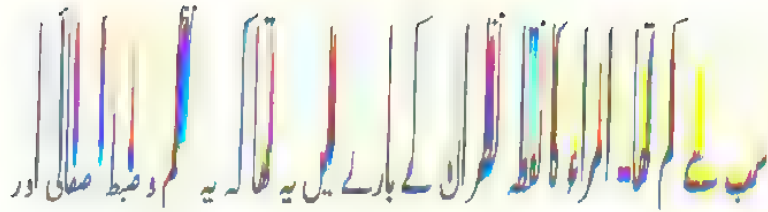
فرانس ہی نہیں بلکہ پورا یورپ دوچار تھا۔ یعنی سماج کی تشکیل ان بنیادوں پر تھی کہ جس میں طبقاتی تقسیم اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس میں سب سے اونچی شخصیت بادشاہ کی تھی جو لوگوں پر اپنی قوت و طاقت کی بنیاد پر حکومت کرتا تھا۔ عدلیہ' مقننہ' اور انتظامیہ اسی کی ذات میں جمع ہو گئی تھی۔ اس کا کہا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا تھا۔ اور بقول لوئی چہاردہم کے "میں ریاست ہوں۔" سے حکمران کی مطلق العنانیت ظاہر ہوتی تھی۔ بادشاہ کے ان بے پناہ اختیارات کو دیکھتے ہوئے اکثر مفکرین نے اس بات کی کوشش کی کہ حکمرانوں کو روشن خیال بنا دینا چاہئے۔ تاکہ پھر وہ معاشرے کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ دیں۔ یہ معاشرہ کو تبدیل کرنے اور حالات کو بدلنے کی اوپر سے کی جانے والی کوشش تھی۔ لیکن اس کوشش میں اس لئے کامیابی نہیں ہوئی کہ اس کے ذریعہ ایک یا دو حکمرانوں کو تو بدلا جا سکتا تھا مگر بادشاہت کے ادارے کو بدلنا ممکن نہیں تھا۔ انگلستان وہ واحد ملک تھا کہ جس میں 1688ء کے انقلاب کے بعد بادشاہ کی طاقت کافی کم ہو گئی تھی اور پارلیمنٹ نے بادشاہت کے اختیارات میں شرکت کر لی تھی۔ اگرچہ فرانس میں بھی پارلیمنٹ تھی مگر اکثر حکمران اس کا اجلاس بلاتے ہی نہیں تھے اور خود ہی تمام فیصلے کر لیتے تھے۔

سماج کا دوسرا اہم ادارہ امراء کا تھا' جو اگرچہ تعداد میں تو 2 سے 3 فیصد تھے مگر یہ پوری سیاسی زندگی پر حاوی تھے۔ فرانس میں ان کی تعداد 250,000 تھے جن میں سے 4000 وہ اعلیٰ امراء تھے کہ جن کی رسائی بادشاہ تک تھی اسپین میں 5 لاکھ امراء تھے' جن میں سے 100 بڑے امراء تھے۔ انگلستان میں 200 بڑے امراء تھے۔ جائداد کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ صرف بڑے لڑکے کو جائداد ملتی تھی۔ چھوٹے لڑکے کو نہ جائداد ملتی تھی اور نہ خطاب۔ جاگیرداری کے نظام میں پیدائش سے درجہ متعین ہوتا تھا۔ طبقہ کی اجتماعی طور پر سیاسی حیثیت ہوتی تھی۔ قانونی حیثیت کا تعین انفرادی نہیں بلکہ طبقاتی تھا۔ خطابات موروثی ہوا کرتے تھے۔ ان کی آمدنی کا ذریعہ زمین تھی۔ بہت

سے یورپی ملکوں میں زمین کے مالک صرف امراء ہوا کرتے تھے۔ اپنے طبقہ کی خصوصیت اور امتیاز کو برقرار رکھنے کے لئے ان کے خاص لباس ہوتے تھے۔ چرچ میں ان کے لئے خاص نشستیں مخصوص ہوتی تھیں۔ یونیورسٹی میں ان کے لئے علیحدہ بنچیں ہوتی تھیں۔ یہی حال میوزک ہال یا کنسرٹ ہال کا تھا کہ جہاں یہ دوسرے لوگوں سے الگ بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے مرتبہ کا اظہار ان کے زیورات' ہتھیار' حویلیاں' ملازم' گھوڑے گاڑیاں اور دعوتیں کھانے سے ہوا کرتے تھے۔ یہ اپنے طبقہ کو عزت' وقار' اور بہادری میں دوسروں سے بلند سمجھتے تھے عام لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ جب انہیں دیکھیں تو ادب سے ایک طرف کھڑے ہو جائیں' ہیٹ اتار کر اور جھک کر انہیں آداب کریں۔

چونکہ چھوٹے لڑکوں کو جائداد میں سے کچھ نہیں ملتا تھا اس لئے اکثر تو چرچ کے اعلیٰ عہدے دار ہو جاتے تھے' یا پھر فوج میں چلے جاتے تھے۔ ان میں سے اکثر بہت زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں ہوتے تھے۔ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب 1794ء میں مشہور مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی کتاب ایک امیر کو پیش کی تو اس نے کہا "مسٹر گبن دوسری کتاب کم ضخامت کی اور کم قیمت کی لکھنا۔" (1)

معاشرہ میں دوسرا اہم طبقہ مذہبی عہدیداروں (کلرجی) کا تھا۔ اس کے سماجی مرتبہ کا تعین ان کی پرہیزگاری اور مذہبی لگاؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی دولت کی وجہ سے تھا۔ اپنے مذہبی پیشہ کی وجہ سے یہ پیدائش سے لے کر موت تک لوگوں کی زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بعد متوسط طبقہ آتا تھا' جس میں تاجر' پیشہ ور لوگ' دست کار و کاریگر اور ہنرمند شامل تھے سترہویں اور اٹھارویں صدی تک متوسط طبقہ کو ادب آداب سے ناواقف' اور عزت و وقار سے علیحدہ طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ معاشرے کی اکثریت کسانوں پر مشتمل تھی' 75% سے 90% تک آبادی کاشت کاری میں مشغول رہتی تھی ان کی زائد مقدار پر بادشاہ' امراء' اور چرچ اپنی شان و شوکت کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اس محنت اور پیداواری عمل میں شرکت کے باوجود سماجی طور پر ان کا رتبہ


سب سے کم تھا۔ امراء کا نقطہ نظر ان کے بارے میں یہ تھا کہ یہ نظم و ضبط صفائی اور تہذیب و تمدن سے بے بہرہ ہیں۔ کام کرنے میں سست و کاہل ہیں۔ اگر کام کرتے بھی ہیں تو سزا کے ڈر اور خوف سے۔ زراعت و کاشت کاری کے علاوہ یہ کپڑا بھی بنتے تھے۔ بطور مزدور شہروں میں جا کر کام بھی کرتے تھے۔ پھیری والے بھی تھے۔ چونکہ ان کے معاشی ذرائع محدود تھے اس لئے ان کی زندگی میں غربت و افلاس ہمیشہ ہی رہتا تھا۔ قحط' وبا' اور جنگ کے تمام اثرات کو انہیں ہی برداشت کرنا ہوتا تھا۔ جنگ کے موقع پر ان کی جبری فوجی بھرتی ہوتی تھی' انکار کی صورت میں 25 سال کی قید تھی۔ لیکن کسان سب سختیوں' تکلیفوں' اور زیادتیوں کو خاموشی سے برداشت نہیں کرتے تھے' اور اس کے ردعمل میں وقتاً" فوقتاً" بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ 74-1773 میں روس میں مشہور کسانوں کی بغاوت میں تین ہزار جاگیردار مارے گئے۔ (2)

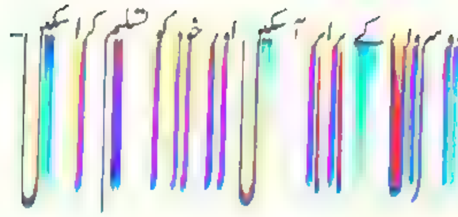
ٹیکسوں کا نظام ایسا تھا کہ جس میں امراء اور مذہبی عہدیداروں کو تو کوئی ٹیکس ادا کرنا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن تمام ٹیکس چاہے وہ مذہبی ہوں' یا ریاستی وہ متوسط طبقے اور کسانوں کو ادا کرنا ہوتے تھے۔ اس طبقاتی اور سماجی نظام سے سب سے زیادہ شاکی متوسط طبقہ تھا۔ کیونکہ یہ تعلیم یافتہ تھا' اپنے پیشوں میں مہارت رکھتا تھا۔ تجارت اور پیشہ ورانہ کاموں کی وجہ سے ان کے پاس دولت بھی تھی۔ مگر اس کے باوجود معاشرے میں ان کی عزت و وقار نہیں تھا۔ جب یہ اپنا مقابلہ امراء سے کرتے تو وہ اہلیت' تعلیم' محنت اور کام میں کم تر نظر آتے تھے مگر محض پیدائش اور خاندان کی وجہ سے خود کو برتر سمجھتے تھے۔ اس لئے ان میں طبقاتی شعور پیدا ہوا اور یہ جذبہ کہ معاشرے کی اس تقسیم کو ختم کر کے اس کی بنیاد قابلیت' لیاقت' محنت اور کام پر رکھی جائے۔

اگرچہ یورپ میں سماج کی یہ حالت سب ہی ملکوں میں تھی' مگر انقلاب فرانس میں آیا۔ اس لئے سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر دوسرے ملک کیوں انقلاب سے دوچار نہیں ہوئے؟ اس کا جواب اکثر مورخین اس دلیل سے دیتے ہیں کہ فرانس کے مقابلہ میں یورپ کے دوسرے ملکوں میں نظام جاگیرداری بہت زیادہ مستحکم اور مضبوط تھا جس کی

وجہ سے کسان اور کاشت کار ان کے خلاف یا تو اٹھ نہیں سکتے تھے یا یہ ان کی بغاوتوں کو کچل دیتے تھے۔ دوسرے ان کے ہاں متوسط طبقہ بہت کمزور تھا۔ جب کہ ان کے مقابلہ میں سولہویں اور سترہویں صدیوں میں فرانس کا متوسط طبقہ طاقت ور ہو چکا تھا۔ مزید یہ کہ روشن خیالی کی تحریک نے ان کو ذہنی طور پر باشعور بنا دیا تھا اس لئے وہ اپنی موجودہ حالت پر مطمئن نہ تھے اور اپنے لئے ایک باعزت مقام حاصل کرنا چاہتے تھے۔

فرانسیسی انقلاب کی ابتداء تو 1780ء میں امراء اور بادشاہ کے درمیان تصادم سے ہوئی۔ اس کے بعد 1789ء میں یہ انقلاب متوسط طبقہ' عوام' اور دیہات میں کسانوں کی بغاوت کے نتیجہ میں پھیل گیا۔ (3) اس انقلاب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ بغیر کسی منصوبے اور پلاننگ کے آیا۔ اس لئے اس کے کئی مرحلوں میں اس کے راہنما اور لیڈر بھی بدلتے رہے۔ لیکن اس انقلاب نے اپنے ہر مرحلہ میں سماج کی انقلابی بنیادوں پر تشکیل کی۔ مثلاً 4 اگست 1789ء کے اسمبلی کے اجلاس میں جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہوا' امراء نے اپنی مراعات سے دست برداری کا اعلان کیا' چرچ کی جائداد کو ضبط کر لیا گیا اور "ڈیکلریشن رائٹس آف مین اینڈ سٹریزن" پاس ہوا۔ کہ جس میں اعلان کیا گیا کہ ہر فرد آزاد اور مساوی درجہ رکھتا ہے۔ قانون کی نظر میں سب سے برابر ہیں' اقتدار اعلیٰ قوم کے پاس ہے' کسی کو بغیر وجہ سے قید نہ کیا جائے' نجی جائداد مقدس ادارہ ہے' اس کا تحفظ کیا جائے۔ (4)

فرانسیسی انقلاب نے فرانس اور بعد میں یورپ کے معاشرے میں جو تبدیلیاں کیں ان کی وجہ سے یہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ بن گیا۔ اس نے جو زبان اور جو نعرے دیئے وہ آنے والے انقلابوں کے لئے موثر ہتھیار کے طور پر استعمال ہوئے۔ آزادی' مساوات' اور اخوت اس کے یہ تین ایسے نعرے تھے کہ جنہوں نے غیر مراعات یافتہ طبقوں کو اپنی قسمت تبدیل کرنے پر ابھارا۔ ان تینوں میں خصوصیت سے مساوات سب سے اہم نعرہ تھا کیونکہ طبقاتی معاشرہ میں' وہ طبقے کے جو پیدائشی طور پر نچلے' اور کم تر ہو جاتے تھے۔ انہیں مساوات میں وہ موقع مل رہا تھا کہ جس میں وہ اپنا مقام بلند کر کے



فرانسیسی انقلاب نے فرانس کے طبقاتی نظام پر کاری ضرب لگا کر اس کے معاشرہ کو قومی بنا دیا یہ ایک قوم کی تشکیل تھی کہ جس کی وجہ سے فرانسیسیوں نے متحد ہو کر اپنے خلاف مخالف یورپی طاقتوں کا موثر طریقہ سے مقابلہ کیا کیونکہ جب انقلابی حکومت کے خلاف یورپی ممالک متحد ہوئے تو فرانس کی قوم کے لئے اب مراعات یافتہ لوگوں کی جائداد کا تحفظ نہیں تھا بلکہ اپنے ملک اور اپنا تحفظ و دفاع تھا۔ قوم کی اس تشکیل نے ان کو ایک نئی توانائی اور طاقت دی۔ قوم اور قومی ریاست نے فرانس کو ایک مضبوط قلعہ بنا دیا۔ اس نے قومی ریاست کی علامت کے طور پر تین رنگوں والا جھنڈا اور قومی ترانہ بھی روشناس کرایا۔ جس کی پیروی اب دنیا کے تمام ملک کرتے ہیں۔

فرانس کا انقلاب چونکہ بورژوا انقلاب تھا' اس لئے اس کے جو اثرات ہوئے ان میں فرد کی آزادی' قانون کی بالادستی' جدید قومی ریاست کی تشکیل' سرمایہ داری کے لئے راستہ صاف کرنا' سوشل ازم کی تحریکوں کی ہمت افزائی' نجی جائداد کا تحفظ' اور عوامی جنگ کی ابتداء شامل تھے۔ (5)

آنے والے وقتوں میں یہ انقلاب ان ملکوں' قوموں' اور معاشروں کے لئے ایک ماڈل بن گیا کہ جو تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ اس سے انقلابیوں نے ایک یہ سبق یہ بھی سیکھا کہ بورژوا انقلاب ہمیشہ نجی جائداد اور اس کے تحفظ کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ انقلاب کو اس حد تک چاہتے ہیں کہ جہاں تک ان کے مفادات پورے ہوں۔ جب بھی عوامی مفادات آتے ہیں تو یہ انقلابی سرگرمیوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آگے چل کر اس پر بحث ہوئی کہ کیا پرولتاریوں کو بورژوا طبقہ کے ساتھ مل کر انقلاب لانا چاہئے' یا ان سے علیحدہ ہو کر اپنے مفادات کو ذہن میں رکھ کر جدوجہد کرنی چاہئے۔

بروڈل نے فرانسیسی انقلاب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے ایک انقلابی ہیومنزم کو پیدا کیا۔ اور اس اصول کو تسلیم کرایا کہ اگر تشدد مساوات' انصاف' اور حق

کے لئے ہو تو یہ جائز ہے' یا مادر وطن کے لئے ہو تو اس کا استعمال ہونا درست ہے۔ انقلاب جنگ کے بھی خلاف تھا جو کہ حکمران اپنے مفادات کے لئے کرتے تھے۔ مگر اس نے عوامی جنگ کی حمایت کی۔ (6) اس لئے انقلابی حکومت نے پرانے نظام کے خلاف اعلان جہاد کیا اور جمہوری حکومتوں کے ساتھ اپنی ہمدردی ہی نہیں بتائی بلکہ ان کے لئے تمام امداد کا وعدہ کیا۔

فرانسیسی انقلاب نپولین کے آنے پر ختم نہیں ہوا۔ اور نہ ہی بادشاہت کی واپسی نے اس کو روکا' بلکہ انقلابی لہریں بار بار اٹھتی رہیں۔ اس کی مثال 1830ء اور 1844ء کے انقلابات ہیں۔ کہ جنہوں نے یورپ میں مطلق العنان حکومتوں کا خاتمہ کر کے دستوری حکومتیں قائم کیں اور ان دستوروں میں لوگوں کی آزادی اور حقوق کی ضمانت دی گئی۔ اس نے عوام کو یا مجمع کو ایک طاقت کی شکل میں ابھارا کہ جس سے حکومتیں خوف زدہ ہو گئیں اور ان کے مظاہروں کو کچلنے اور دبانے کے لئے انہوں نے فوج' اور پولس کے محکمے تشکیل دیئے' ساتھ ہی میں مجمع کے ڈر اور خوف سے سیاسی و سماجی اور معاشی اصلاحات شروع کیں۔

فرانسیسی انقلاب نے یورپ کے دانشوروں' مفکروں' اور سیاستدانوں کے درمیان ایک بحث کا آغاز کیا۔ وہ یہ تھا کہ کیا معاشرہ کو تبدیل کرنے کے لئے انقلاب ضروری ہے؟ انقلاب جب بھی آتا ہے معاشرہ کی قدیم روایات اور اداروں کو ختم کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے نئی روایات اور اداروں کی تشکیل میں وقت لگتا ہے۔ اس لئے معاشرہ انتشار بدامنی' اور غیر یقینی کیفیات کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس لئے ایک نقطہ نظر تو یہ تھا کہ معاشرہ کو مرحلہ وار آہستہ آہستہ اصلاحات کے ذریعہ تبدیل ہونا چاہئے کیونکہ یہ تبدیلی قومی کردار اور اداروں کو باقی رکھتی ہے۔ انگلستان میں ایڈمنڈ برک نے فرانسیسی انقلاب کے خلاف ایک کتاب لکھی جس میں اس کی دلیل تھی کہ آزادی ارتقائی طور پر حاصل ہوتی ہے نہ کہ تشدد کے ذریعہ۔ ریاست کو نہیں بدلنا چاہئے۔ اور نہ ہی مفکروں کے نظریات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

اس کے جواب میں ٹامس پین نے رائٹس آف مین لکھی جس میں اس نے اس بات پر زور دیا کہ لوگوں کو سیاسی حقوق ملنا چاہیں اور تمام موروثی ادارے جن میں بادشاہت اور امراء شامل ہیں انہیں ختم کر کے لوگوں کو نمائندگی دینی چاہئے۔

(2)

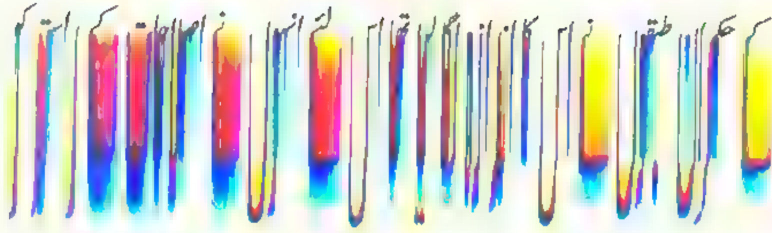
یورپ میں معاشرہ کو تبدیل کرنے اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے دو طریقہ کار سامنے آئے : اصلاحات کے ذریعہ سے حالات کو بدلا جائے اور معاشرہ کی ضروریات کو پورا کیا جائے' یا انقلاب کے ذریعہ سے کہ جس میں تشدد کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے' تبدیلی لائی جائے۔ سوائے انگلستان کے یورپ کے دوسرے ملکوں نے فرانسیسی انقلاب اور اس کے نتائج کو قوت و طاقت اور جبر سے روکنے کی کوشش کی' مگر 1830ء اور 1844ء کے انقلابات نے انہیں اس پر مجبور کیا کہ وہ نہ صرف اپنے دستوروں کو بدلیں بلکہ لوگوں کو بھی نمائندگی دیں۔ روس جو ان اصلاحات سے علیحدہ رہا' بلاآخر اسے 1917ء میں انقلاب کا سامنا کرنا پڑا۔

انگلستان میں انیسویں صدی میں فیکٹریوں' کانوں' تعلیم' اور سماجی اصلاحات شروع ہوئیں' کیونکہ اس کے حکمران طبقوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر معاشرہ کی اصلاح نہیں کی گئی تو اسے بھی فرانس جیسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا چنانچہ 1819ء سے لے کر 1831ء' 1833ء' 1844ء' 1855ء اور 1862ء میں فیکٹریوں کی حالت سدھارنے کے لئے قوانین پاس ہوئے' جن کے ذریعہ چائلڈ لیبر' اور عورتوں کے کام کے اوقات کو کم کیا گیا۔ مردوں کے کام کے اوقات کم کر کے 12 گھنٹے کر دیئے گئے۔ ہفتہ میں ایک دن چھٹی بھی مقرر ہوئی۔ یہ اصلاحات یہیں پر نہیں رکیں بلکہ ان کے لئے برابر قوانین بنتے چلے گئے۔ اس قسم کی اصلاحات کا اعلان مختلف کانوں (Mines) کے قوانین کے ذریعہ کیا گیا۔

عوامی صحت کے لئے قوانین پاس ہونا شروع ہوئے کہ جن میں گلیوں و سڑکوں کی

صفائی، صاف پانی کی سپلائی، نالیوں کی صفائی، اور کوڑا و کچرا اٹھانے کا بندوبست شامل تھا۔
اب تک تعلیم کی تمام ذمہ داری چرچ پر تھی اور ریاست کی جانب سے تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن صنعتی انقلاب کے اثرات، اور معاشرہ میں تعلیم کے لئے چلنے والی تحریکوں نے بالآخر حکومت کو مجبور کیا کہ وہ تعلیم کو چرچ اور نجی اداروں پر نہ چھوڑے بلکہ خود بھی اس کے فروغ اور ترقی میں حصہ لے۔ جب حکومت نے اپنے اسکول کھولنے کا فیصلہ کیا تو اس پر چرچ اور مذہبی تنظیموں کی جانب سے سخت احتجاج ہوا کیونکہ ایک تو اس سے ان کی تعلیم سے اجارہ داری ختم ہوتی تھی، دوسرے انہیں یہ ڈر تھا کہ حکومت کے اسکولوں میں مذہبی تعلیم نہیں ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1870ء اور 1880ء کے درمیان بنیادی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد بڑھ کر تین ملین ہو گئی۔ انیسویں صدی کے آخر تک انگلستان میں بچوں کی اکثریت کو بنیادی تعلیم کی سہولتیں مل چکی تھیں۔ تعلیم میں بھی اصلاحات کا جو سلسلہ شروع ہوا یہ ختم نہیں ہوا بلکہ برابر جاری رہا۔

جب گلیڈ اسٹون کی وزارت 1867ء اور 1874ء کے درمیان قائم ہوئی تو اس نے اس پالیسی کو اختیار کیا کہ فوج، انتظامیہ، اور یونیورسٹی کی تعلیم میں تمام مراعات کو ختم کر دیا جائے اور ذہین و باصلاحیت لوگوں کو ان کی قابلیت اور محنت کی بنیاد پر مواقع فراہم کئے جائیں۔ جب ڈزرائلی وزیراعظم بنا (1874-80) تو اس نے بھی اصلاحات کی اہمیت کو سمجھا۔ اس نے اپنے ایک ناول میں لکھا ہے کہ (1845ء) برطانیہ میں دو قومیں آباد ہیں: ایک امیر اور دوسری غریب۔ اگرچہ وہ معاشرہ کے استحکام کو برقرار رکھنا چاہتا تھا، مگر ساتھ ہی میں غریب لوگوں کی زندگی میں اصلاح اور بہتری کا قائل بھی تھا۔ 1872ء میں اس نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: "خالص ہوا، خالص پانی، غیر صحت مند رہائشی علاقوں کی دیکھ بھال اور ملاوٹ والی غذا..... یہ وہ باتیں ہیں کہ جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کی پہلی ذمہ داری لوگوں کی صحت ہوتی ہے۔" (7) اس کا کہنا تھا کہ "محل غیر محفوظ ہے، اگر کاٹیج کا رہنے والا ناخوش ہے۔" برطانیہ



اختیار کیا۔

اصلاحات اور انقلاب دونوں نے یورپ کے معاشرے کو بدل کر رکھ دیا' سب سے اہم تبدیلی یہ آئی کہ لوگ جو اب تک غلامی اور ذلت کی حالت میں تھے وہ اس سے نکلے' وہ صلاحیتیں جو اب تک نچلے طبقوں میں گم ہو جاتی تھیں انہیں ابھرنے اور جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ معاشرہ کو انسانی توانائی ملی' جس کی وجہ سے زندگی کے ہر پہلو میں ترقی ہوئی۔ جب فرد کو وقار' عزت' اور عظمت ملی تو اس نے پوری قوت سے معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا کیونکہ اب عزت و شہرت خاندان پر نہیں قابلیت و محنت پر تھی۔

(3)

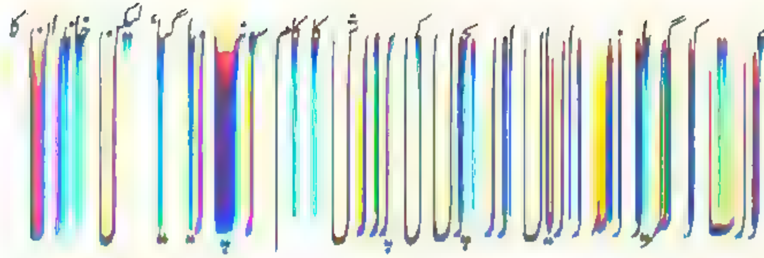
صنعتی انقلاب اور فرانسیسی انقلاب کے نتیجہ میں شہروں میں متوسط طبقہ کا عروج ہوا۔ اس کا سائز دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں برطانیہ میں زیادہ بڑا تھا۔ لیکن یہ طبقہ فرانس' بلجیم' اور جرمن ریاستوں میں سیاسی و سماجی اصلاحات اور معاشی ترقی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ اس طبقہ میں استاد' سرکاری افسران' وکیل' ڈاکٹر' بنکرز اور تاجر شامل تھے۔ خصوصیت سے تاجروں کے خاندان میں چونکہ باپ کے پیشہ کو بیٹا اختیار کرتا تھا اس لئے "تجارتی خاندانوں" کی اہمیت ہو رہی تھی۔ اب تک معاشرے میں جو سخت قسم کی طبقاتی تقسیم تھی وہ اب ٹوٹ رہی تھی اس کے ابتدائی مرحلے میں تاجر اور امراء آپس میں سماجی تعلقات بڑھا رہے تھے۔ تاجر زمین خرید کر اپنا سماجی رتبہ اونچا کر رہا تھا تو امراء تجارت میں پیسہ لگا کر اپنے معیار زندگی کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ تجارت کی معاشرے میں اب عزت ہو گئی تھی اور تاجروں کو جو پہلے حقارت سے دیکھا جاتا تھا اب ان کے اور ان کے پیشہ کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار ہونے لگا تھا۔ مثلاً برطانوی وزیراعظم لارڈ رسل (1878ء) نے کہا کہ : "خوشی و مسرت کو حاصل کرنے۔

عیسائیت کو پھیلانے اور اخلاقیات کو فروغ دینے کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تجارت کو اس کے اپنے راستہ پر جانے دو۔" انگلستان کے مفکر جیمس مل (1836ء) نے متوسط طبقے کے بارے میں کہا کہ یہ : "کمیونٹی کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور دانش مند طبقہ ہے۔" اس کا کہنا تھا کہ امراء صرف اپنی زمینوں کی فکر کرتے ہیں' اور بغیر کام کاج کئے روپیہ پیسہ حاصل کرتے ہی _ وہ جس طریقہ سے دولت حاصل کرتے ہیں اس کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ کس طرح سے لوگوں کے خیالات بدل رہے تھے۔ اب امراء ست و کاہل اور نکمے ہو گئے تھے جب کہ متوسط طبقہ کے لوگ محنتی اور کام کرنے والے۔ اس لئے بورژوا طبقہ کے بارے میں 1847ء میں پیرس کے ایک اخبار نے لکھا کہ :

> بورژوا کوئی طبقہ نہیں ہے۔ یہ ایک حیثیت یا مرتبہ کا نام ہے اس لئے کوئی بھی اس مرتبہ اور حیثیت کو حاصل کر سکتا ہے اور کھو بھی سکتا ہے۔ یہ مرتبہ کام' کفایت شعاری اور لیاقت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب بدعنوانی' گناہ گاری اور سستی آ جائے تو یہ ختم ہو جاتا ہے۔

اب فخر و غرور اس پر ہونے لگا کہ کس نے اپنی مدد آپ کے ذریعہ زندگی میں دولت کمائی اور کامیابی حاصل کی۔ کامیابی کے لئے مقابلہ ضروری ٹھہرا۔ اس لئے یہ اس مقابلہ میں اس قدر مصروف ہوئے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر چیز کو جائز ٹھہرا لیا۔ فرانس کے ادیب بالزاک (1850ء) نے اس صورت حال کے بارے میں لکھا کہ : "یہ ایک دوسرے کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کہ مرتبان میں بند مکڑیاں ایک دوسرے کو ختم کرتی ہیں۔" ان کو سب سے زیادہ خوف یہ ہوتا تھا کہ انہوں نے جو رتبہ معاشرے میں حاصل کر لیا ہے وہ ختم نہ ہونے پائے۔

متوسط طبقے نے معاشرہ میں ایک خاص قسم کا کلچر پیدا کیا۔ ان کے لئے سب سے اہم ادارہ خاندان کا تھا۔ کہ جس میں عورت اور مرد کی علیحدہ علیحدہ سماجی حیثیت تھی۔


عورت کو گھریلو زندگی اور بچوں کی پرورش کا کام سونپ دیا گیا' لیکن خاندان کا

سربراہ مرد رہا کہ جو معاشی طور پر اس کی کفالت کرتا تھا۔ شادی سماجی کامیابی کے لئے ایک اہم ادارہ بن گیا۔ اس لئے کوشش ہوتی تھی کہ ان خاندانوں میں شادی کی جائے کہ جو لڑکے کے کیریر میں مددگار ہوں۔ اب نئے معاشی ماحول میں زیادہ بچوں کی گنجائش نہیں تھی اس لئے خاندان کے سائز کو چھوٹا رکھا جاتا تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ معاشی خوش حالی نے آسائش و آرام کے کلچر کو پیدا کیا۔ گھر میں کئی کمرے ہوتے تھے جو کہ مختلف ضروریات کے کام آتے تھے۔ خواب گاہ بالکل نجی ہو گئی کہ جہاں اجنبی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کچن اور کھانے کے کمرے علیحدہ ہو گئے۔ مہمانوں کے لئے ڈرائنگ روم ہونے لگا۔ شہروں میں جہاں اپارٹمنٹس ہوتے تھے' ان میں بھی سماجی تفریق تھی سب سے نچلے حصہ میں چوکیدار ہوتا تھا' اس کے بعد جیسے جیسے اوپر جائیں وہ دولت و امارت کے لحاظ سے ہوتے تھے۔ مکانوں کی اندرونی آرائش پر بھی توجہ دی جانے لگی۔

متوسط طبقے میں اخبار' ناول اور پمفلٹس پڑھنے کا شوق پیدا ہو چکا تھا۔ اخباروں میں اب قسط وار کہانیاں چھپنے لگیں۔ بالزاک کے ناول فرانس میں قسطوں میں چھپتے تھے یہ طویل اس لئے ہوتے تھے کیونکہ مصنف کو الفاظ کی تعداد پر معاوضہ ملتا تھا۔ پڑھنے کے اس شوق کو پورا کرنے کے لئے شہروں میں ریڈنگ کلب' کتب خانے' اور کتابوں کی دوکانیں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔

لیکن متوسط طبقہ معاشرے میں کسی انقلابی تبدیلی کا حامی نہیں تھا۔ اس نے صنعتی و فرانسیسی انقلابات کے بعد جو حاصل کیا تھا وہ اسے اپنے تک محدود رکھنا چاہتا تھا اور اس میں عام لوگوں کی شرکت اسے گوارا نہیں تھی۔ اس لئے وہ فرد کی آزادی تو چاہتا تھا مگر اس کا پھیلاؤ ایک دم نہیں بلکہ ارتقائی طور پر مرحلہ وار۔ جائداد کا تحفظ اس کے لئے بہت اہم تھا۔ دستور اور اسمبلی میں وہ اپنی نمائندگی کا خواہش مند تھا۔ اس لئے بالغ رائے دہی اور عورتوں کی رائے دہی کا سخت مخالف تھا۔ اب وہ بادشاہ کی اطاعت کے

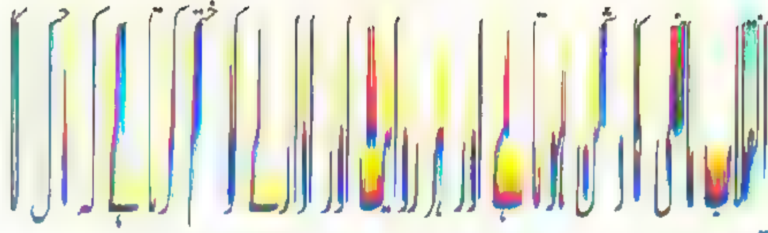
بجائے قانون کی حکمرانی چاہتا تھا حکومت کی دخل اندازی سے آزاد ہو کر وہ معاشی ترقی میں حصہ لینا چاہتا تھا۔ "وہ حکومت اچھی ہے جو کم حکومت کرے" معاشی سرگرمیوں میں فرد کو کھلی چھٹی ملنی چاہئے کیونکہ وہ آزاد ہو کر ہی دولت کما سکتا ہے۔ اگر دولت ہو گی تو مرد زیادہ سے زیادہ سماجی کام کرے گا۔

تعلیم کے سلسلہ میں اب تک اسکول تک کی تعلیم کو اہمیت دی جاتی تھی۔ کالج اور یونیورسٹی میں اس طبقہ کے لوگ کم جاتے تھے۔ وہ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ انہیں اپنے پیشہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تجربہ ہو۔

وہ اپنے سے نچلے طبقے کے لئے تعلیم کو خطرناک سمجھتے تھے۔ ایک برطانوی مصنف کا کہنا تھا کہ غریب لوگوں کے بچے صرف پڑھنا لکھنا سیکھ لیں کیونکہ اس طرح وہ تابعداری سے منحرف نہیں ہوں گے۔ ایک ممبرپارلیمنٹ کا خیال تھا کہ اگر بہت لوگوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تو وہ اچھے ملازم نہیں رہیں گے۔ وہ غداری پر اکسانے والے پمفلٹ پڑھیں گے۔ ان خراب کتابوں کا مطالعہ کریں گے کہ جو عیسائیت کے خلاف ہیں' اس کے نتیجہ میں اپنے سے اوپر والوں سے بدتمیزی کریں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسی تحریکیں بھی تھیں کہ جو عام لوگوں میں تعلیم عام کر رہیں تھیں۔ تبدیلی کا جو عمل شروع ہو چکا تھا اب اسے محدود کر کے یا روک کر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

(3)

تاریخ کے مطالعہ سے ایک بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ کوئی بھی معاشرہ ایک جگہ جما ہوا یا ساکت نہیں رہتا ہے اس میں اندرونی اور بیرونی عناصر کی وجہ سے تبدیلی کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ کبھی یہ عمل بہت سست ہوتا ہے' اور کبھی تیز۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ اصلاحات کے ذریعہ معاشرے میں ارتقائی طور پر تبدیلی آتی ہے اور انقلاب کے نتیجہ میں اچانک اور تیز۔ ارتقائی طور پر جو تبدیلی آتی ہے اس میں معاشرہ اپنے ماضی' اس کی روایات اور اداروں سے ایک دم نہیں کٹ جاتا ہے۔ لیکن



تعلق ماضی سے ہو۔ وہ معاشرہ کی بنیاد بالکل نئی روایات پر قائم کرنا چاہتا ہے۔

یورپ کا معاشرہ جیسا کہ ڈیوڈ ٹامسن نے اپنی کتاب "یورپ عہد نپولین سے" میں لکھا ہے اٹھارویں صدی میں دو قوتوں کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ ان میں سے ایک تو وہ قدیم ادارے اور روایات تھیں کہ جو اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لئے جدوجہد کر رہی تھیں' دوسری طرف نئی ابھرنے والی جدید طاقتیں تھیں جو تبدیلی کی خواہش مند تھیں۔ قدیم اداروں میں وہ بادشاہت چرچ اور جاگیردار طبقے کی نشان دہی کرتا ہے جو صنعتی و فرانسیسی انقلاب اور نپولین کے عروج کے زمانہ اور اس کے بعد قدیم نظام کے قیام کی جدوجہد میں برابر سرگرم رہے۔ لیکن یہ ایک لحاظ سے ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے تھے۔ کیونکہ ان کے مقابلہ میں جو قوتیں تھیں' ان کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ سب سے اہم عنصر آبادی کا بڑھنا تھا۔ آبادی کے اضافہ کی وجوہات میڈیسن میں نئی دواؤں کی ایجاد' زراعتی پیداوار میں اضافہ' امریکہ اور کینیڈا سے اناج کی درآمد' اس نے آبادی کو بڑھا دیا تھا۔ اب یہ آبادی معاشرے میں ایک نئے توازن کی خواہش مند تھی۔ صنعتی ترقی اور اس کے عمل نے شہروں کی آبادی کو بڑھا دیا تھا۔ اب ان شہروں کے انتظام کے لئے نئے اداروں کی ضرورت تھی' کیونکہ ان کے مسائل بھی نئے تھے جو پرانے اداروں کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے تھے۔ معاشرہ میں متوسط طبقہ پوری توانائی کے ساتھ ابھرا تھا' ورکنگ کلاس بھی اپنے مسائل کے ساتھ متحد ہو رہی تھی۔ اب ریاست کسی حکمران خاندان کی جاگیر نہیں رہی تھی بلکہ اس کے اداروں میں مختلف طبقوں کی شمولیت ہو گئی تھی اس لئے ریاست کی یہ ذمہ داری ہو گئی تھی کہ وہ اپنے شہریوں کی دیکھ بھال کرے۔ لوگ اب رعیت سے شہری بن گئے تھے۔ اب وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے اور یہ حقوق ان کے لئے بنیادی تھے جس کے لئے وہ ریاست کے شکر گزار نہیں تھے۔

فرانسیسی انقلاب اور نپولین کی جنگوں نے یورپ میں قوم پرستی کو تقویت دی

تھی۔ جہاں جہاں فرانس کا اقتدار قائم ہوا تھا' ان ملکوں نے اپنی قوم پرستی کی بنیاد پر اس کی مخالفت کی تھی۔ خاص طور سے جرمنی میں جرمن مفکرین نے جرمن زبان اور ثقافت کی بنیاد پر قوم پرستی کی تحریک شروع کی تھی۔ اس قوم پرستی کی لہر اٹلی' اسپین' پولینڈ اور روس میں پہنچی اور یہ قومیں ایک نئے تشخص کے ساتھ ابھریں۔

قوم پرستی کے ساتھ ہی لبرل ازم' جمہوریت' اور سوشل ازم کی تحریکیں بھی پوری توانائی کے ساتھ ابھریں۔ ان تحریکوں میں متوسط طبقہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ لبرل ازم اور جمہوری عمل سے لوگوں کو خارج رکھا جائے۔ وہ پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کو چاہتے تھے لوگوں کے نہیں۔ لیکن جب جمہوری عمل شروع ہوا تو یہ متوسط طبقہ تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے سب ہی کو اس میں شامل کیا۔ لیکن اب بالغ رائے دہی میں عورتیں اس عمل سے خارج تھیں۔ سوشل ازم 1848ء تک تو یوٹوپیائی شکل میں تھا' لیکن بعد میں کارل مارکس نے اس کو تصوراتی دنیا سے نکال کر عملی شکل دی۔

لبرل ازم' جمہوریت اور سوشل ازم تینوں نظریات نے مل کر ریاست کو معاشرہ کے لئے ایک اہم ادارہ بنایا جو کہ کسی ایک فرد یا خاندان یا طبقہ کے لئے نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لئے تھا۔

حوالہ جات

1- میری من : ص۔ 306' 355' 358' 360

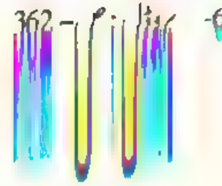
2- ایضاً : ص۔ 362' 363

3- Lefebure, Georges : The coming of the French Revolution. Princeton University Press 1967.

4- ایضاً : ص۔ 221' 223

5- R. R. Palmer : Preface of the Coming of the French Revolution. ص۔ VI' XVII-

6- برنال: ص- 362



7- Norman, Lowe : Mastering Modern British History, Macmillan 1989. ص 247، 248

8- میری مِن: ص- 638 سے 658

9- Tomson, David : Europe Since Napolean. Penguine 1966, ص- 112 سے 126

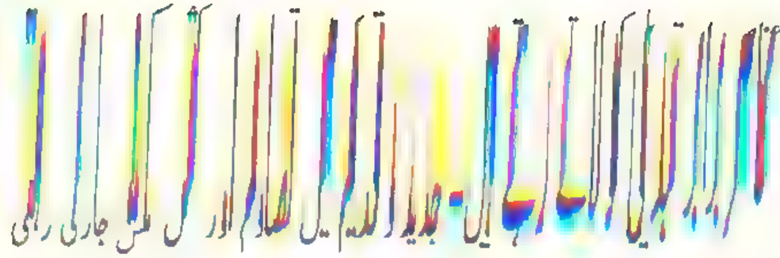
نواں باب

نتائج

یورپ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے پچھلے صفحات میں ہم نے ان اہم تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن سے یورپ کا معاشرہ گزرا ہے۔ عیسائیت کو قبول کرنے اور چرچ کی بالادستی کے بعد یورپ کے قدیم ادارے اور روایات چرچ کے ہاتھوں انتہائی تشدد کے ساتھ کچل کر ختم کر دی گئیں یا انہیں عیسائیت کے دائرہ میں لا کر مذہبی بنا لیا گیا۔ اس شکل میں جہاں عیسائیت نے زندگی کے ہر پہلو پر تسلط جما لیا وہاں پر اندر ہی اندر قدیم روایات اور رسوم و رواج کا تسلسل بھی کسی نہ کسی شکل میں باقی رہا۔

عیسائیت کے غلبہ کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اس نے عقیدہ کو سختی کے ساتھ معاشرہ میں قائم کر دیا۔ چرچ نے یہ ذمہ داری سنبھال لی کہ وہ دنیاوی اور دینوی دونوں معاملات میں لوگوں کی راہنمائی کرے گا۔ لہٰذا یونانی اور رومی معاشروں کی جو آزاد خیالی اور مذہب کے معاملہ میں روشن خیالی تھی اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ تعلیم پر مکمل طور پر چرچ کی اجارہ داری قائم ہو گئی' فلسفہ و منطق اور وہ تمام علوم کہ جو آزاد فکر کو پیدا کرنے والے ہیں وہ مذہب کے دائرہ میں آ کر اس کی حقانیت کے لئے استعمال ہونے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرد اپنی فکر' سوچ' اور آزادی کو کھو بیٹھا اور چرچ کے دائرہ میں آ کر اس قدر جکڑ لیا گیا کہ اس سے باہر نکلنا اس کے لئے ناممکن ہو گیا۔

لیکن جیسا کہ تاریخی عمل بتاتا ہے' معاشرہ کبھی بھی ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہتا ہے۔ بسلسل حرکت میں رہتا ہے' لہٰذا معاشرہ کے مطالعہ کے لئے اس کی حرکت اور اس میں برقرار رہنے والے تسلسل دونوں کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اندرونی اور بیرونی



ہے۔ لہٰذا یورپی معاشرہ ایک طرف چرچ اور عقیدہ میں جکڑا ہوا تھا تو دوسری طرف معاشی ضروریات' اسے تجارت و صنعت و حرفت' سائنس اور مہم جوئی کی طرف لے جا رہیں تھیں۔ اس لئے جب عقیدہ ان کی راہ میں حائل ہوا تو انہوں نے اس سے آزاد ہونے کی راہیں تلاش کیں۔

آزادی فکر کی یہ راہیں انہیں ماضی کی طرف لے گئیں۔ یونانی اور رومی فکر میں جو آزادی تھی اس میں فرد آزاد و خودمختار تھا۔ اس لئے انہوں نے ہیومنزم کی بنیاد پر فرد کو چرچ سے آزاد کر کے چھوڑ دیا کہ وہ اپنی تقدیر خود بنائے۔ ریناساں آزادی کی جانب ایک قدم تھا۔ یہ بیک وقت یونانی و رومی روایات کا احیاء بھی تھا اور مستقبل کی تشکیل کے لئے منصوبہ بھی۔ ریفارمیشن نے اس فکر کو اور زیادہ مضبوط کیا کہ جب اس نے پوپ اور چرچ کے تسلط کو چیلنج کر کے فرد کے رشتہ کو براہ راست خدا سے ملا دیا۔

یورپ کے معاشرہ میں سیکولر خیالات کے پھیلاؤ میں مذہبی عقیدہ کو کمزور کرنا اور چرچ کی طاقت کو توڑ کر فرد کو مذہبی اثرات سے آزاد کرانا بہت ضروری تھا۔ یورپ کا معاشرہ کیسے سیکولر ہوا؟ اس پر اوون چاڈوک (Owen Chadwick) نے اس عمل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو انیسویں صدی میں یورپ کی ذہنی و فکری تاریخ میں ہو رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ مذہب کا اثر معاشرہ میں اس وقت گہرا اور ہمہ گیر تھا کہ جب تک انسان فطرت کے رازوں سے پوری طرح سے واقف نہیں ہوا تھا۔ اس وقت زلزلے وبائیں قحط جب موت کا پیغام لاتے تو وہ انہیں دیوتاؤں کا عذاب سمجھ کر ان سے ڈرتا اور خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس کے لئے پوری فطرت ایک راز تھی' جو اس کی عقل و فہم سے دور تھی۔ لیکن جیسے جیسے یہ راز دریافت ہوئے اس کا ڈر اور خوف ختم ہوتا گیا۔ جب تاریخی تحقیقات شروع ہوئیں تو انہوں نے بائبل کے بہت سے بیانات کی نفی کی۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں عقیدہ کی سختی کم ہونا شروع ہوئی۔ نئی تحقیق پیغمبروں' اور اولیاء کو تاریخی دائرہ میں لے آئی۔ ایک بار جب وہ تاریخ کے فریم ورک

میں آ گئیں تو ان سے منسوب کرامات، معجزے، اور عقل و فہم سے بالاتر چیزیں ختم ہو گئیں۔ اب مورخ ان کو بحیثیت انسان کے دیکھنے لگے اور وہ دیومالائی تصورات سے اصلی شکل میں سامنے آئیں۔ ان کی عزت اب اس وجہ سے نہیں تھی کہ انہوں نے معجزے یا کرامات دکھائے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے انسانی فلاح کے لئے کام کیا تھا۔ فرانسیسی مورخ ارنسٹ رینان جس نے حضرت عیسیٰ کی زندگی پر لکھا اس نے تحقیق کے ان اصولوں کو اختیار کرتے ہوئے انہیں بحیثیت انسان کے دیکھا اور یہ کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اس لئے پیغمبر مانتے تھے کہ ان سے معجزے منسوب تھے۔ اب اس روشن خیالی کے دور میں لوگ اس وجہ سے انہیں پیغمبر نہیں مانیں گے کہ وہ معجزے دکھاتے تھے۔

انیسویں صدی میں جو کہ روشن خیالی کا عہد کہلاتا ہے اس میں مذہب اور معاشرہ پر بڑی بحثیں ہوئیں اور یہ سوال بار بار اٹھایا گیا کہ کیا مذہب اخلاقی قدروں کے لئے ضروری ہے؟ اور کیا یہ معاشرہ کی یک جہتی برقرار رکھتا ہے؟ مذہب کے حامی اور بہت سے مفکرین اس بات کو بطور دلیل پیش کرتے تھے کہ اگر مذہب کمزور ہوا یا ختم ہوا تو اس کی وجہ سے معاشرہ کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ دوسرے جرائم اور گناہوں کی روک تھام کے لئے مذہب انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ جنت اور دوزخ فرد کو اخلاق کا پابند بناتی ہے۔ والٹیر کا کہنا تھا کہ تمام لوگوں کے لئے مذہب ضروری ہے کیونکہ اس کے دباؤ سے وہ جرائم سے دور رہتے ہیں۔ اگلی دنیا میں جزا و سزا انہیں اخلاق کا پابند رکھتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ دانشور اور مفکر حضرات الحاد پر بحث و مباحثہ کریں اور اس پر عمل بھی کریں مگر عام لوگوں میں اپنے خیالات نہ پھیلائیں۔

اس وقت یورپ کا معاشرہ اعلیٰ و ادنیٰ کے طبقوں میں اس طرح سے بٹا ہوا تھا کہ عام لوگ انسانیت کے درجہ سے خارج تھے۔ اس لئے ان کے بارے میں طبقہ اعلیٰ میں یہ تصور تھا کہ یہ عقل و فہم سے بے بہرہ اور جاہل لوگ ہیں۔ اس لئے انہیں قابو میں رکھنے کے لئے جبر و تشدد اور مذہبی عقیدہ ضروری ہے۔ چونکہ اس دور کے مفکرین طبقہ

اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان میں عوام کے لئے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ ریاست کے لئے مذہب کو ضروری سمجھتے تھے تاکہ لوگ اس کے سہارے اپنی محرومیوں' تکلیفوں' اور اذیتوں کو برداشت کر سکیں اور صبر و قناعت و اطاعت کے اصولوں پر عمل کرتے رہیں۔

چرچ اور ریاست کے اس اتحاد کو اس اعلامیہ میں پوری طرح سے دیکھا جا سکتا ہے کہ جو 28 دسمبر 1878ء میں پوپ لیو XIV نے جاری کیا تھا اس میں اس نے سوشلسٹوں' کمیونسٹوں' اور نیشنلسٹوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> "یہ کہتے ہیں کہ اتھارٹی خدا سے نہیں بلکہ لوگوں سے آتی ہے اور یہ کہ لوگوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ خدائی احکامات کی پیروی کریں' بلکہ لوگوں کو یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ ایسے قوانین بنائیں کہ جو ان کے مفادات کو پورا کریں۔ خدا نے معاشرہ میں مختلف طبقات بنائے ہیں جہاں تک حکمرانوں کا تعلق ہے تو لوگوں پر ان کی اطاعت لازمی ہے۔ سوائے اس وقت کہ جب وہ خدائی احکامات کی خلاف ورزی کریں۔"

اس لئے چرچ نے پوری کوشش کی کہ جمہوری عمل کو روکا جائے۔ عوام کو سیاست سے دور رکھا جائے' اور انہیں حکمرانوں کی تابعداری پر مجبور کیا جائے۔ لیکن یورپی معاشرے میں جو بحث و مباحثہ مذہب اور اس کی اہمیت کے بارے میں مفکرین اور دانشوروں میں شروع ہوا تھا' وہ اصلاحی تحریکوں کے ذریعہ لوگوں تک جا رہا تھا۔ مثلاً جب یورپ کے معاشرے میں مختلف نئے مذہبی فرقے پیدا ہونے شروع ہوئے تو یہ ان کے مفاد میں تھا کہ ریاست اور معاشرہ کا ایک عقیدہ نہ ہو بلکہ ہر فرقہ کو آزادی ہو کہ وہ اپنے عقائد کی بنیاد پر زندگی گزار سکے۔ اس لئے منحرف فرقے مذہبی آزادی اور مذہبی رسومات کی آزادی کے مبلغ بن گئے۔ اس مذہبی سوچ نے سیکولر سوچ کو پیدا کیا۔ جب جدید اور قومی ریاست نے فیوڈل ازم کو ختم کیا تو اس کے ساتھ مقامی طور پر

لوگوں کے حقوق و فرائض جو فیوڈل لارڈ سے تھے وہ ختم ہو گئے۔ ریاست نے کسانوں کو ان کی قید سے چھڑا کر آزاد کر دیا۔ اب جب وہ ریاست کی پناہ میں آئے تو ریاست نے دستور کے تحت انہیں جو حقوق دیئے وہ مقامی حقوق سے زیادہ وسیع تھے۔ ان حقوق نے فرد کو اعتماد دیا اور اس میں اپنے حقوق کی حفاظت کا احساس پیدا ہوا۔ صنعتی ترقی اور شہروں کی آبادی نے فرد کو ذات اور پیشہ کی قید سے بھی آزاد کیا۔ یہ وہ روایات تھیں کہ جو اس کی ترقی کی راہ میں حائل تھیں ان سے آزاد ہو کر اب وہ خودمختار تھا کہ اپنے لئے اپنی پسند کا راستہ اختیار کرے۔ جب دستور کے تحت قانون کی بالادستی کا اصول تسلیم کیا گیا اور سب قانون کی نظروں میں ایک ہو گئے تو اب ایک ہی معاشرہ میں کئی مذہبی فرقوں کا مل کر رہنا ممکن ہو گیا۔ اس نے مذہبی رواداری کے جذبہ کو پیدا کیا۔ جب قانون کے تحت غیرمذہبی فرد کو بھی ریاست نے تحفظ دے دیا تو اب معاشرہ کا یہ حق نہیں رہا کہ وہ فرد کو مجبور کرے کہ وہ مذہبی بنے یا کوئی عقیدہ رکھے۔ جب ریاست کا کوئی مذہب نہیں رہا اور وہ مذہبی معاملات میں غیرجانبدار ہو گئی تو اب کسی ایک مذہب یا فرقے کو دوسرے پر فوقیت نہیں رہی اور ریاست کی نظروں میں سب برابر ہو گئے۔ اخبارات' رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ جب مختلف متضاد معلومات معاشرے میں پھیلیں تو ان کی وجہ سے اخلاقی اتھارٹی کے بارے میں جو یک جہتی تھی وہ ختم ہو گئی اور لوگوں نے مختلف افکار پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا جس نے سیکولر سوچ کو فروغ دیا۔

چاڈوک کی دلیل ہے کہ معاشرہ میں مختلف رایوں' نظریوں' اور فکروں کا ہونا ضروری ہے' کیونکہ انہیں کے ذریعہ سچائی کو پانے میں مدد ملے گی۔ نئے نظریات و افکار کو فروغ ملے گا اور لوگوں کو ایک دوسرے کی بات سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ بحث و مباحثہ اور فکری آزادی کے ذریعہ ہی تنگ نظری کا خاتمہ ہو گا اور لوگ اپنی صلاحیتوں کو آزادی کے ساتھ استعمال کر سکیں گے۔ آزادی کو استعمال کے لئے ضروری ہے کہ اس کی حدود کا تعین کیا جائے۔ یہ ریاست اور فرد دونوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آزادی

کا غلط استعمال نہ کریں۔ اس سلسلہ میں وہ اسٹورٹ مل کے خیالات کو پیش کرتا ہے کہ



جس نے کہا تھا کہ اگر تمام انسانیت ایک طرف ہو اور ایک فرد مخالفت میں' تو یہ کسی کو حق نہیں کہ اسے خاموش کرائے۔ نہ ہی اس شخص کو اگر اس کے پاس طاقت اقتدار ہے تو یہ حق ہے کہ وہ پوری انسانیت کو خاموش کرائے۔

چاڈوک کا کہنا ہے کہ دلیل کا مقابلہ دلیل سے کیا جائے۔ نظریات و افکار پر تنقید ضروری ہے' کیونکہ بغیر تنقید کے وہ بے جان اور مردہ ہو جاتے ہیں۔ (1)

چاڈوک نے یورپی معاشرہ کے سیکولر ہونے کی جو نشان دہی کی ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ معاشرہ میں محض فکری بحثیں یا دانشوروں کے خیالات تبدیلی لے کر نہیں آتے ہیں جب کہ معاشی و سیاسی طور پر بھی تبدیلی کا عمل نہ ہو۔ اب یہ سوال اہمیت کا حامل ہے کہ کیا پہلے معاشرہ ذہنی طور پر ترقی کرتا ہے اور پھر معاشی اور سیاسی تبدیلی آتی ہے یا معاشی اور سیاسی تبدیلی کے نتیجہ میں نئے خیالات و افکار پیدا ہوتے ہیں؟

تاریخی عمل کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں رہتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ پہلے ذہنی ترقی ہو جائے' پھر سیاسی و معاشی ترقی ہو گی' بلکہ یہ دونوں عمل ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہیں' اس پورے عمل میں قدیم روایات و ادارے اپنے وجود کو باقی رکھنے کی پوری پوری جدوجہد کرتے ہیں' لیکن اگر معاشرے کی ضروریات پوری قوت کے ساتھ ابھر کر آئیں تو پھر ان کو پورا کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اس مرحلہ پر معاشرہ تبدیلی کے عمل سے گزرتا ہے اور جدید روایات کو قبول کرنا شروع کر دیتا ہے۔

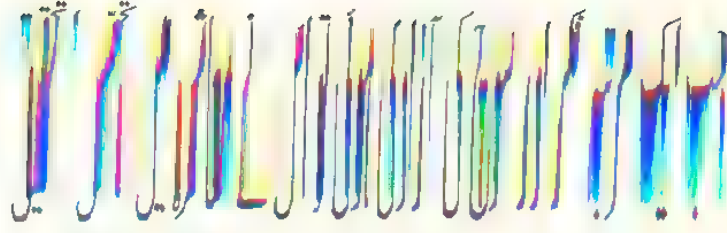
(1)

یورپ میں سیکولر عمل مذہب کے بطن سے پیدا ہوا۔ عہد نامہ قدیم میں ہے کہ خدا نے دنیا کو پیدا کیا پھر اسے الٰہی طاقت سے علیحدہ کر دیا۔ اب اس کا مالک انسان ہے

اور یہ اس کی ذمہ داری ہے وہ اس کے معاملات کو دیکھے۔ عیسائیت میں خدا اور سیزر دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے۔ یعنی خدا کی اطاعت اپنی جگہ اور سیزر کی تابع داری اپنی جگہ۔ مذہب اور ریاست اس وقت متحد ہوئے کہ جب قسطنطین نے عیسائیت کو قبول کر لیا اور دونوں اداروں کو ملا کر ایک کر دیا۔ یہی صورت حال مغرب میں پوپ کی سربراہی میں ہوئی کہ جو روحانی طور پر اتنا طاقتور ہوا کہ سیاسی حکومتیں اس کے ماتحت ہو گئیں۔ مذہب اس وقت نجی ہوا کہ جب پروٹسٹنٹ عقیدے نے ہر فرد کو اپنی نجات کا ذمہ دار بنا دیا۔ سیکولر ارائزیشن (Secularisation) کا لفظ 1648ء میں اس وقت استعمال ہوا کہ جب جرمنی میں چرچ کی جائداد پروٹسٹنٹ حکمرانوں کو دے دی گئی۔ سیکولر ازم کا لفظ 1851ء میں استعمال ہوا۔

سیکولر ازم کے تحت یورپ کے معاشرہ میں ثقافتی عمل نے مذہبی اثرات کو کمزور اور کم کر دیا۔ مذہب کے بجائے اب سائنس کا انسانی زندگی میں زیادہ عمل دخل ہو گیا' جس نے آہستہ آہستہ مذہبی توہمات اور عقیدہ کو کمزور کر کے سیکولر سوچ کو مضبوط کیا۔ سیکولر ازم کو تقویت دینے میں قومی ریاست کے قیام کا بھی بڑا دخل ہے۔ کیونکہ قومی ریاست قوم کے تشکیل میں اب مذہب نہیں بلکہ جغرافیائی حدود' ثقافت' اور زبان زیادہ اہم ہو گئیں' لہٰذا ہر مذہب اور تمام فرقوں کے لوگ ایک قوم کی شکل میں متحد ہو گئے۔ اس لئے مذہب کی حیثیت ثانوی ہو گئی۔

جدید قومی ریاست میں معاشرہ میں مختلف پیشہ ور طبقے ابھرے جیسے اساتذہ' ڈاکٹر' وکیل' اور کاریگر و ہنرمند ان لوگوں نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی وجہ سے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مذہب کے اثرات کو ختم کیا۔ مثلاً اب اگر کوئی بیمار ہوتا تھا تو وہ ڈاکٹر سے مرض کی تشخیص کرا کے دوا لیتا تھا' اب راہب سے دعا کے لئے درخواست نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح جب ریاست نے تعلیمی اداروں کو اپنی ماتحتی میں لیا تو اس نے چرچ کی تعلیم پر اجارہ داری کو ختم کر دیا اور اساتذہ کو یہ آزادی مل گئی کہ وہ سیکولر خیالات کی تعلیم دے سکیں۔



اور تنقید کو پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے ہر نظریہ' فکر' اور خیال چیلنج کیا جانے لگا کہ جس میں مذہبی عقیدے بھی شامل تھے۔ عقلیت کے فروغ نے ٹکنالوجی میں ترقی کی ابتداء کی۔ جس کی وجہ سے روزمرہ کی زندگی میں اخلاقی قدریں بدلنا شروع ہو گئیں۔ اب اس قدر اور کام کی زیادہ اہمیت ہو گئی کہ جو عملی زندگی میں مفید تھا۔

سیکولر ازم کے اس عمل میں ریاست تو مذہب کے سلسلہ میں غیر جانبدار ہو گئی مگر معاشرے میں مذہب باقی رہا اور لوگوں کو اس کی آزادی دی کہ کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں' مذہب کی نجی حیثیت کی وجہ سے یہ معاشرہ میں نہ تو استحصال کا باعث رہا اور نہ تعصب و تشدد کا۔ اگرچہ سائنس' ٹکنالوجی' سماجی سائنس کی نئی تحقیقات' اور معاشرے کی عملی ضروریات اور تقاضوں نے مذہب کے تسلط کو توڑا' مگر مذہب اب بھی یورپ کے معاشرہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ خاص طور سے کلچر اور ثقافت کے حوالہ سے۔ لیکن مذہب اب سیاسی و معاشی امور میں دخل نہیں دیتا ہے۔ نہ سائنس ٹکنالوجی کی تحقیق میں رکاوٹ بنتا ہے اور نہ ہی اب اسے اخلاقی قدروں کے باقی رکھنے یا ان پر عمل کرانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب قوانین معاشرہ کی ضرورت کے تحت بنتے اور ختم ہوتے ہیں۔ مذہبی مفادات کے تحت نہیں۔ نہ ہی اب تجارت میں مذہب دخل اندازی کرتا ہے' سیاسی ادارے اب اپنی افادیت اور اہمیت پر تشکیل پاتے ہیں۔ اب ان کے جواز کے لئے کسی مذہبی اتھارٹی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک سیکولر کلچر میں اخلاقی قدروں کی پابندی اس لئے ہوتی ہے کہ اس سے معاشرہ میں امن و امان' خوش حالی اور سکون رہتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کا تعلق جزا اور سزا سے ہے۔ اب اخلاقی قدریں سماجی حالات کے تحت بدلتی اور بنتی ہیں' مذہب کے زیر اثر نہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایماندار ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے آخرت میں جزا ملے گی بلکہ اس لئے کہ یہ معاشرے کے لئے ضروری ہے جس کی وجہ سے اس کا کاروبار بہتر اور عمدہ طریقہ سے چلتا ہے۔ بے ایمانی کاروبار اور روزمرہ کی زندگی میں خرابی پیدا کرتی ہے اس لئے

معاشرہ اسے پسند نہیں کرتا ہے۔

جمہوریت نے جب سے عام لوگوں کے سیاسی عمل میں شمولیت کی ہے۔ اب معاشرہ والٹیر کے زمانہ کا نہیں رہا کہ جہاں عام لوگوں کو جاہل رکھ کر ان کو جزا اور سزا کے خوف سے نیک بنایا جاتا تھا۔ اب لوگ خود باشعور ہیں اور اپنے مفادات کے تحت نیک بنتے ہیں۔

(2)

ذہن میں یہ بات بھی رکھنی چاہئے کہ موجودہ دور میں یورپ کے معاشرے میں جو خوش حالی آئی ہے اور عام لوگ اس سے مستفید ہوئے ہیں' یہ زیادہ عرصہ کی بات نہیں۔ یہ خوش حالی دوسری جنگ عظیم کے بعد کی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے خوش حالی اور مراعات طبقہ اعلیٰ تک محدود تھے۔ عام لوگ اس عہد میں بھی کہ جب یورپ صنعتی لحاظ سے ترقی کر رہا تھا اور نوآبادیات میں اس کا سیاسی اقتدار تھا اور وہاں کی دولت سمٹ کر ان کے پاس آ رہی تھی۔ اس وقت بھی عام آدمی غربت و مفلسی اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس لئے 1917ء کے روسی انقلاب نے یورپی حکمرانوں کو اس طرح سے ڈرایا جیسے کہ فرانسیسی انقلاب نے' فلاحی ریاست کا قیام دوسری جنگ عظیم کے بعد شروع ہوا۔ اس نے ریاست کی از سرِنو تشکیل کی۔ ایک ایسی ریاست کے جو عوام کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار ہے۔

عام آدمی کی شمولیت نے یورپ کے معاشرہ کو ایک نئی توانائی دی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اس نے تعلیم' سائنس' ٹکنالوجی اور فلسفہ اور دوسرے سماجی علوم میں ترقی کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج پس ماندہ ممالک کے لئے یورپ ایک ماڈل بن گیا ہے کہ جس کو سامنے رکھ کر وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں۔

(3)

ڈیوڈ لانڈلیس نے جو کہ مغربی برتری کا قائل ہے اس نے مغربی تہذیب کی ترقی و

عروج کا دوسری تہذیبوں سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ تجزیہ کیا ہے کہ آخر کیوں دوسری تہذیبیں ترقی کے عمل میں پیچھے رہ گئیں اور مغرب نے کیوں ان پر فوقیت حاصل کر لی؟ اس کا کہنا ہے کہ قرون وسطی میں اسلامی معاشرہ میں سائنس اور علوم عقلی کی ترقی و ترویج میں مذہبی دباؤ سب سے بڑی رکاوٹ تھی علماء کا کہنا تھا کہ مذہب نے سچائی اور حق کو دریافت کر لیا ہے اس لئے اب دوسرے علوم کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ ضرورت ہے کہ ان علوم کی مدد سے سچائی کو تلاش کیا جائے۔ اس مذہبی ماحول اور ذہنی تنگ نظری کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں مفکرین اور سائنس دانوں کے لئے تحقیق مشکل ہو گئی۔

اسلام میں مذہب اور ریاست ایک ہیں۔ لٰہذا ایک مذہبی ریاست میں جو فکر یا خیال یا تحقیق مذہب سے متضاد ہو گی وہ غلط اور نقصان دہ ہو گی۔ اس کو روکنے کی ذمہ داری ریاست کی ہو گی۔ اسی وجہ سے روشن خیالی اور عقلیت کی تحریکیں کچل دی گئیں۔ نئی ایجادات کو مشکل سے قبول کیا گیا۔ جب ترکی میں چھاپہ خانہ قائم ہوا تو علماء کی جانب سے اس کی سخت مخالفت ہوئی اور آخر اس پر اسے کام کرنے کی اجازت ملی کہ اس میں قرآن شریف نہیں چھاپا جائے گا۔ تحقیق کی کمی کی وجہ سے ایجادات باہر سے آئیں' اندرونی طور پر بہت کم ایجادات ہوئیں۔ لٰہذا معاشرہ ان ایجادات کے تخلیقی عمل سے بے خبر رہا' اور محض ان کو عملی طور پر اپنایا یا ان کو بنانے میں تقلید کی۔

چین کے بارے میں وہ یہ سوال کرتا ہے کہ پندرہویں صدی تک چین ایک بحری طاقت تھا' مگر پھر کیا وجہ ہوئی کہ اس نے ترقی نہیں کی اور پس ماندہ رہ گیا؟ اس کے پیچھے رہنے کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ چینیوں میں تجسس کی کمی تھی۔ وہ خود نمائی کے قائل تھے۔ دوسروں سے سیکھنا اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔ محکوم قوموں سے خراج وصول کرنا تو جانتے تھے مگر ان سے کوئی چیز خریدنا نہیں چاہتے تھے۔ اس طرح وہ ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے۔ نہ تبدیلی کے خواہش مند تھے اور نہ ہی یورپیوں کی طرح لالچی تھے اور نہ ہی جارحانہ جذبات و مقاصد رکھتے تھے۔ یورپیوں کا

سب سے بڑا مقصد دولت کا حصول تھا۔ چینیوں کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔

جب چینیوں نے جہاز بنائے تو ان کے ساز و سامان اور آرائش پر اتنا پیسہ خرچ کیا کہ تجارت کے ذریعہ جو منافع ملا وہ اس خرچہ سے بہت کم تھا اس لئے بجائے اس کے کہ تجارت ان کے لئے فائدہ مند ہوتی' وہ ان کے لئے مالی طور پر نقصان دہ ثابت ہوئی۔ ایک اور فرق جو چین اور یورپ میں تھا وہ یہ کہ یورپ میں نجی طور پر افراد میں مہم جوئی کا جذبہ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے ملکوں سے نکل پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ راستوں کی دریافت اور تجارتی مقاصد کے تحت یورپ کے حکمران خاندانوں نے بھی ان مہمات کی سرپرستی کی جس کی وجہ سے انہوں نے دوسرے ملکوں سے تجارتی روابط قائم کئے اور نئے ملکوں کو دریافت کیا۔ اس کے برعکس چین میں کنفیوشس ازم میں تجارت سے نفرت تھی۔ اگرچہ چینیوں نے بحری طاقت تو حاصل کر لی مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ چین کی قدیم تہذیب اور اس کی ترقی کی وجہ سے چینیوں میں برتری کا احساس تھا۔ دنیا کی اہم ایجادات مثلاً کاغذ' بارود' چھاپہ خانہ چین میں ایجاد ہوئے تھے۔ اس لئے جب یورپ کی ایجادات وہاں گئیں تو انہوں نے ان کی اہمیت سے انکار کر دیا۔ نئے علوم کو سیکھنے میں ان کا فخر اور برتری کا احساس ان کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ چین میں ایسے ادارے بھی نہیں تھے کہ جہاں نئے علوم کا حصول ہوتا۔ مثلاً اکیڈمی' یا اسکالرز کی سوسائٹی وغیرہ۔ اجداد کی پرستش تو کرتے تھے مگر ان کے علم سے بے خبری تھی جو تاریخ کا ایک حصہ بن گیا تھا اور ایک جگہ ٹھہر کر رہ گیا تھا۔

ہندوستان میں کیوں صنعتی انقلاب نہیں آیا؟ اس کے بارے میں لانڈیس کا کہنا ہے کہ سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کوالٹی اور قیمت میں اس قدر عمدہ اور سستی تھی کہ اس کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ملکی ضروریات کو بھی پوری کرتی تھی اور درآمد بھی کی جاتی تھی۔ اس کی مانگ چین اور مشرق بعید کے ملکوں میں تھی۔ سترہویں صدی میں جب یورپی اقوام یہاں آئیں تو انہوں نے ہندوستانی کپڑے کو خرید کر یورپ کی منڈیوں میں پہنچایا۔ اس بڑھتی ہوئی

مانگ کو پورا کرنے کے لئے ہندوستان میں نہ تو ایجادات ہوئیں کہ جن کے ذریعہ پیداوار کو بڑھایا جاتا اور نہ ہی سرمایہ اکٹھا ہوا۔ ہندوستان میں ٹکنالوجی کی ترقی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ یہاں سستی مزدوری آسانی سے مل جاتی تھی بیروزگار کسان' عورتیں' اور نچلی ذات کے لوگ کم سے کم مزدوری پر کام کے لئے تیار ہوتے تھے۔ اس لئے مشین کی کیا ضرورت تھی؟ اس وجہ سے ہندوستان کی صنعت میں مزدوروں سے زیادہ کام ہوتا تھا' مشینوں سے کم۔

دوسرا اہم عنصر یہ تھا کہ ہندوستانی تاجر کاریگر کو صرف پیشگی دیتا تھا' باقی جولاہوں کا یہ کام تھا کہ وہ خام مال خود خریدیں اور مال تیار کریں۔ جب کہ یورپ میں تاجر پیشگی اور خام مال دونوں کاریگروں کو دیتا تھا جو کہ پٹنگ آؤٹ سسٹم (Putting out System) کہلاتا تھا اس طرح پیداواری عمل میں تاجر بھی شامل ہو جاتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہندوستان میں تاجر کاریگر کو اتنا دیتا تھا کہ اس کا گزارہ ہو سکے۔ کچھ تاجر جولاہوں پر نگران رکھتے تھے کہ وہ مال تیار کر کے دوسرے کو فروخت نہ کر دیں۔ کبھی وہ ان کے گھروں میں گھس کر کھڈی سے کپڑا اتار کر لیجاتے تھے۔ ذرائع نقل و حمل کی وجہ سے کاریگروں کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ تیار مال کو از خود شہر میں لا کر بیچ سکیں۔ ان وجوہات کی بنا پر کپڑے کی صنعت میں زیادہ ترقی نہیں ہوئی' جب انگلستان میں صنعتی انقلاب آیا تو اس کی ابتداء کپڑے کی صنعت سے ہی ہوئی' اس نے ہندوستان کی صنعت کو تباہ کر دیا' کیونکہ وہ مشینوں کے استعمال سے جو کپڑا تیار ہوا وہ بہت زیادہ تھا' اس نے ہندوستان کی منڈیوں میں آ کر قبضہ کر لیا۔ کپڑے کی صنعت کی اس تباہی میں ہندوستان میں انگریزی سیاسی اقتدار بھی تھا کہ جس نے کپڑے کی صنعت کو ختم کرنے میں اپنی سیاسی طاقت کو استعمال کیا۔

لانڈیس کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہندوستان کے کاریگر لوہے کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی اسکرو (Screw) نہیں تھا۔ لوہے کی کیلیں بہت کم تھیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے آلات بہت کم تھے۔ جو آلات و

اوزار بنائے جاتے تھے ان کی ساخت کبھی بھی بالکل درست اور ٹھیک نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی کاریگر ایک ہی چیز تیار کرتا تھا تو تمام چیزوں کے سائز علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ تمام مال ایک سائز اور ایک ہی قسم کا ہو۔

ہندوستان کے بعد لانڈیس جنوبی امریکہ کی پس ماندگی کی بات کرتا ہے کہ آخر شمالی امریکہ کے مقابلہ میں یہ کیوں پس ماندہ رہا اور ترقی نہ کر سکا؟ اس کی دلیل ہے کہ اول تو جنوبی امریکہ کے ملک جو اسپین سے آزاد ہوئے ان کی یہ آزادی نظریاتی اور سیاسی جدوجہد کے نتیجہ میں نہیں ہوئی' بلکہ اس لئے ہوئی کہ اسپین سیاسی طور پر کمزور ہو چکا تھا اور اس قابل نہیں رہا تھا کہ ان پر اپنے تسلط کو برقرار رکھ سکے۔ لہٰذا آزاد ہونے کے بعد ان کے پاس کوئی متبادل نظام نہیں تھا انہوں نے ہسپانوی نظام ہی کو برقرار رکھا اور محض حکمرانوں کو تبدیل کر دیا۔ سیاسی خلاء کو پر کرنے کے لئے اقتدار کے امیدواروں میں خانہ جنگیاں اور سازش ہوئیں۔ اس نے بدعنوانیوں کو پیدا کیا۔ اب جو لوگ طاقت میں آئے یہ وہ تھے کہ جنہوں نے ہسپانویوں اور پرتگیزیوں سے لوٹ مار کے طور طریقے اور حربے سیکھ رکھے تھے' لہٰذا انہوں نے بھی اپنی سیاسی طاقت کو دولت کے حصول میں استعمال کیا۔ اس نے معاشرہ میں حکمران طبقوں کو نہ صرف طاقت ور بنایا بلکہ دولت مند بھی۔ یہ لوگ اپنی رانچوں (Ranches) یا زمینوں پر رہتے تھے کہ جہاں ایک لحاظ سے وہ خودمختار تھے۔ اپنے مزارعین کو سزا دیتے اور ان کا استحصال کرتے۔ ان کی طاقت کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ریاست جو ریونیو جمع کرتی تھی وہ حکمران طبقوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ چرچ کے پاس بھی بڑی بڑی زمینی جائدادیں تھیں اس لئے وہ ریاست کی حمایت کرتا تھا۔ ریاست اپنے استحصالی نظام کو باقی رکھنے کے لئے ہر قسم کی ذہنی و فکری آزادی کی مخالف تھی۔

معاشی اور صنعتی طور پر یہ اس لئے ترقی نہیں کر سکا کیونکہ اس کی آمدنی کے ذرائع معدنیات کی کانیں' جنگلات زراعت اور مویشی تھے۔ اس لئے اس نے صنعتی ترقی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی' اور صنعتی پیداوار کے لئے صنعتی ملکوں پر انحصار کیا۔

برطانیہ' جرمنی اور شمالی امریکہ نے جنوبی امریکہ کے ملکوں کے خام مال کو اپنے استعمال کے لئے لیا' اور اسے اپنا تیار شدہ مال فروخت کیا۔ جنوبی امریکہ کے ملکوں میں اپنے تسلط کو قائم کرنے کے لئے شمالی امریکہ نے انہیں سود پر قرضے دیئے' اسلحہ فروخت کیا' اور انہیں خانہ جنگیوں میں الجھائے رکھا۔

چین کے مقابلہ میں لانڈیس جاپان کی ترقی کے بارے میں دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے کہ جاپان کی زبان' رسم الخط' کنفیوشس کی تعلیمات' بدھ ازم' چھاپہ خانہ' مصوری' اور دوسری کئی صنعتیں یہ سب چین سے آئیں اور جاپانیوں نے چینیوں سے سیکھا اور پھر انہیں اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اس سے ایک بات واضح ہو کر آئی کہ جاپانیوں میں سیکھنے کا جذبہ ہے۔ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے بعد میں یورپیوں سے سیکھا۔ دوسرا اہم عنصر جو جاپانیوں میں ہے اس کا اشارہ (1748ء) ایک تاجر کی نصیحت سے ہوتا ہے جس نے کہا تھا کہ تجارت کے معاملات میں مذہب کو داخل مت کرنا۔ جب تاجر خاندان تجارت میں مصروف ہو تو اس کی ساری توجہ اس پر ہونی چاہئے اور دوسرے معاملات میں اسے اپنی توانائی کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

انیسویں صدی میں جب جاپان میں بادشاہ کی طاقت واپس آئی اور شوگونیٹ یا جاگیرداری کا خاتمہ ہوا تو اس کے ساتھ ہی شاہی خاندان تبدیلی لے کر آیا جو کہ "میجی انقلاب" کے نام سے مشہور ہے۔ میجی خاندان نے جاپانی معاشرے کی ازسرنو تشکیل کی۔ حکومتی اداروں کو بدلا' پوسٹ کے نظام کو روشناس کر دیا' وقت کا نیا سسٹم جاری ہوا' لڑکوں کے لئے تعلیم کا بندوبست کیا گیا' اور ان کے لئے لازمی فوجی تربیت رکھی گئی۔ رعایا کے لئے بادشاہ سے وفاداری اولین اور اہم اصول تھا۔ لازمی فوجی تربیت کی وجہ سے معاشرہ میں سمورائی طبقہ کی اجارہ داری ختم ہو گئی' اور اس طرح عام لوگوں کی اہمیت ہو گئی۔ لوگوں کا لباس بدل گیا' قدیم لباس کی جگہ اب سوٹ اور ہیٹ آ گیا گھروں کی تعمیر پتھروں سے ہونے لگی' مکانوں میں یورپی فرنیچر آ گیا۔ ان تبدیلیوں کے خلاف ردعمل بھی ہوا لیکن جدید روایات نے قدیم روایات کو شکست دے دی۔

معاشرہ میں کام کی اہمیت کو پیدا کیا گیا' اس نے نئی اخلاقی قدروں کو پیدا کیا کہ جن میں تنظیم' ترتیب' قومی شناخت' اور قومی فخر اہم جذبات تھے۔ حکومت نے جاپانیوں کو یورپ بھیجا کہ وہاں سے جدید تعلیم حاصل کر کے آئیں اور یہ دیکھیں کہ یورپی ملک کا نظام سب سے اچھا ہے۔ مثلاً ابتداء میں انہوں نے فوج میں فرانسیسی طریقہ کار کو اختیار کیا' مگر جب 1871ء میں فرانسیسیوں کو جرمنوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو انہوں نے جرمن فوجی تعلیم و تنظیم کو اختیار کر لیا۔ 1871ء میں ایک وفد یورپ اور امریکہ گیا کہ وہاں جا کر فیکٹریوں' اسلحہ کے کارخانوں' بندرگاہوں' مارکیٹوں' شپ یارڈز' ریلوے اور نہری نظام کا مطالعہ کریں۔ یہ وفد 1873ء میں پوری معلومات کے بعد واپس آیا۔

جاپان اس لحاظ سے دوسرے ملکوں سے مختلف تھا کہ دوسرے ملکوں نے مستریوں اور ٹیکنیشنز کو اپنے ملکوں میں بلایا کہ وہ ان کے لوگوں کی تربیت کریں۔ لیکن جاپانی خود وہاں گئے اور کام کو سیکھا۔ دوسرے ملکوں نے مشینیں باہر سے منگوائیں اور فیکٹریاں لگائیں۔ جاپانیوں نے خود مشینیں بنائیں اور پھر فیکٹریوں کی بنیاد ڈالی۔ اس لئے دوسری قوموں کے مقابلہ میں جاپانیوں کا نقطہ نظر مختلف تھا۔ انہوں نے پہلے اچھی طرح سے سیکھا' تربیت حاصل کی' پھر چھوٹے پیانہ پر صنعتوں کو شروع کیا اور وقت کے ساتھ جاپان یورپ کی طرح ترقی یافتہ صنعتی ملک بن گیا۔ (2)

(4)

اس تجزیہ کے بعد یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ان وجوہات اور اسباب کی نشان دہی کی جا سکے کہ جن کی وجہ سے تاریخ میں قوموں نے ترقی کی' آگے بڑھیں' لیکن ایک خاص مرحلہ پر پہنچ کر ان کی ترقی رک گئی۔ ان وجوہات کو تلاش کرنا اب اس لئے ممکن ہے کیونکہ ہمارے پاس تاریخ کا ریکارڈ موجود ہے۔ اس کی مدد سے ہم ان وجوہات کو ڈھونڈ سکتے ہیں کہ جو قوموں کے عروج و زوال کا باعث تھیں۔ مثلاً ایک اہم چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ قومیں' یا معاشرے کے جو یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں

لے تہذیب و تمدن، کلچر مذہب اور سماجی و معاشی اور سیاسی اداروں کی تشکیل میں تکمیل حاصل کر لی ہے۔ ان کے پاس مکمل ضابطہ حیات ہے۔ دوسرے معاشروں اور تہذیبوں کے پاس کوئی علم نہیں رہا کہ جو وہ سیکھ سکیں، بلکہ دوسروں کو ان سے سیکھنا چاہئے، تو ایسی قوموں کا ذہن ایک جگہ آ کر ٹھہر جاتا ہے، ان میں نئے علوم کو حاصل کرنے کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہتا ہے، وہ اپنی روایات میں خود کو جکڑ لیتی ہیں اور خود کو آزاد کرانے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتی ہیں۔ ایسے معاشروں میں اگر روایات و اقدار کے خلاف بات کی جائے تو وہ بغاوت، انحراف، اور غداری کے مترادف ہوتی ہے جس کی سزا دینے کے لئے پورا معاشرہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ منحرف افراد کے خیالات و افکار کے تمام راستوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ مسلسل پس ماندہ ہوتے چلے جاتے ہیں مگر اپنی برتری کا احساس انہیں ہر وقت و ہر دم رہتا ہے جس کے نتیجہ میں یہ ماضی میں پناہ لیتے ہیں، حال اور مستقبل سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

دوسری بات ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب معاشرہ اور ریاست جبر کے ادارے بن جاتے ہیں تو یہ لوگوں میں ڈر اور خوف کو پیدا کرتے ہیں۔ ایسے میں وہ لوگ کہ جو روایات سے مخالف ہوتے ہیں وہ ریاست اور معاشرہ سے دور رہنا پسند کرتے ہیں، اس دوری اور خاموشی میں ان کی آواز دب جاتی ہے۔ جو لوگ حکمرانوں کے قریب ہوتے ہیں وہ خوشامدی اور موقع پرست ہوتے ہیں۔ یہ تبدیلی کے عمل کو روکنے میں سب سے آگے آگے ہوتے ہیں۔

جن معاشروں میں مراعات یافتہ طبقہ کام اور محنت کا عادی نہ ہو، وہ دوسروں کی محنت پر گزارہ کرتا ہے جب اس کی لوٹ بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور عوام کے پاس مزید دینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا ہے تو اول تو یہ اپنی لوٹ کے مال کی حفاظت کے لئے نئے نئے قانون بناتے ہیں، جبر و تشدد کرتے ہیں، اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ایسے ضوابط تیار کرتے ہیں کہ نچلے اور غیر مراعاتی طبقے ان سے مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان کی حالت ایک پس ماندہ معاشرہ میں ایسی ہو جاتی ہے جیسے گندے جوہڑ میں پھول کھلا

ہو۔ جب آخری مرحلہ میں یہ خود کو بالکل غیر محفوظ سمجھنے لگتے ہیں تو یہ اپنی دولت سمیٹ کر ترقی یافتہ ملکوں میں چلے جاتے ہیں۔

کسی بھی معاشرے میں ترقی کا عمل اس وقت شروع ہوتا ہے کہ جب اس میں تبدیلی کی خواہش پیدا ہو۔ ترقی ہمیشہ ماضی سے نفی کرتی ہے۔ یہ مذہب کے اس تصور سے بھی انکار کرتی ہے کہ نجات کے لئے اس دنیا کی اصلاح کی ضرورت نہیں۔ اس لئے ترقی کے جذبہ میں تاریخی شعور ہوتا ہے جو یہ ذہن بناتا ہے کہ روایات و اقدار اور ادارے ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتے ان کو وقت کی ضرورت اور افادیت کے تحت دیکھنا چاہئے اور جب بھی ضرورت ہو تبدیل کر دینا چاہئے اس لئے جس معاشرہ میں تبدیل کرنے کے جذبات زیادہ ہوں گے' وہ ترقی کرے گا۔ ترقی کا انحصار عقلیت پر بھی ہے جو انسان کو توہمات سے آزاد کراتی ہے۔

ترقی کے لئے سائنسی سوچ کا ہونا بھی لازمی ہے۔ یہ سائنسی سوچ سماجی علوم کے مطالعہ سے آتی ہے۔ فطری سائنس نے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے' اس لئے اس کا مطالعہ فطرت اور انسان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ آج کا معاشرہ علوم کے لحاظ سے بہت زیادہ تقسیم ہو گیا ہے۔ اس لئے ہر علم اور فن کے ماہر کو آزادی ملنی چاہئے کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ بنیادوں پر اس پر تحقیق کرے۔ ماہر معاشیات کام ہے کہ وہ معاشرے کے معاشی نظام کو تشکیل دے۔ ماہر سماجیات معاشرہ میں ہونے والے مسائل کا تجزیہ کرے۔ ان علوم میں مذہب کے تسلط کو ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ تحقیق اس جگہ آکر ٹھہر جائے گی کہ جہاں یہ مذہب سے متصادم ہو گی۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ انسانی مسائل کبھی بھی ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انہیں بغیر حل کے نہیں چھوڑنا چاہئے تحقیق و تفتیش اور جستجو کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھنا چاہئیں۔ فطری اور سماجی علوم کو مذہب کی صداقت کے لئے نہیں بلکہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔

اس تجزیہ کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ وہ ہوتا ہے جو اس

قابل ہو کہ پیداوار کے ذرائع خود تیار کر سکے انہیں استعمال کر سکے، ان کو تبدیل کر سکے، اور اس علم کو آنے والی نسلوں میں منتقل کر سکے۔ صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر لوگوں کو معاشرے میں عزت و احترام دے، مقابلہ اور مہم جوئی کے جذبات پیدا کرے، تاکہ لوگ اپنی تخلیق اور محنت سے لطف اندوز ہو سکیں۔

حوالہ جات

1 چاڈوک، اوون:

The Secularization of the European Mind in the Nineteenth Century. Cambridge University 1977.

تفصیل کے لئے دیکھئے۔ ص۔ 6، 64، 104

2 لانڈلیس: 56، 96، 97، 229، 313، 314، 353، 393

BIBLIOGRAPHY

Blaut, J.M: 1492: *The Debate on Colonialism, Eurocentrism and History.* Africa world press 1992.

Chadwick, Owen: *The Secularization of the European Mind in the nineteenth Century.* Cambridge University press 1977.

Fisher, H. A. L.: *A History of Europe from the Earliest times to 1713.* London 1936.

Fontana, J.: *The Distorted Past: A Reinterpretation of Europe.* Blackwell Oxford 1995.

Frank, A. G.:*ReOrient: Global Economy in the Asian Age.* University of California press 1998.

Huizinga, J.: *The Autumn of the Middle Ages.* University of Chicago press 1996.

Kocka, J. & Mitchell, A.: *Bourgeois Society in the Nineteenth Century Europe.* Oxford 1993

Lach, E. D: *Asia in the Making of Europe. Vol.II (A Century of Wonders)* University of Chicago press 1994

Landes, D. S.: *The Wealth and Poverty of Nations.* Little Brown and Company London 1997.

Markus, R. A: *The End of Ancient Christianity.* Cambridge 1998.

Merriman, J.: *A History of Modern Europe: From the Renaissance to the Present.* London 1996.

Norbert, Elias: *The History of Manners.* Pantheon Books New York 1978

Peter, Edward: *Inquisition.* University of California press 1989.

Robertson, R. T.: *The Making of Modern world.* Zed books London 1986.

Saberwal, Satish: *Wages of Segmentation: Comparative Historical Studies on Europe and India.* Orient Longman Delhi 1995.

Taweny, H.. *Religion and the Rise of Capitalism.* A Mentor Books 1953.

یورپ کا عروج

ڈاکٹر مبارک علی


فکشن ہاؤس
18-مزنگ روڈ لاہور
فون: 7249218-7237430
E-mail:FictionHouse2004@hotmail.com

نام کتاب : یورپ کا عروج
مصنف : ڈاکٹر مبارک علی
پبلشرز : فکشن ہاؤس
18-مزنگ روڈ، لاہور
فون:7249218-7237430
اہتمام : ظہور احمد خاں
کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز : حاجی حنیف پرنٹرز، لاہور
سرورق : عباس
پہلا ایڈیشن : 2000ء
دوسرا ایڈیشن : 2003ء
تیسرا ایڈیشن : 2005ء
قیمت : -/130 روپے

انتساب

1999ء کی بات ہے جہلم میں علی عباس جلال پوری مرحوم کی تعزیت میں ہونے والے جلسہ میں شرکت کرنے گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک نوجوان نے بڑھ کر مجھے ایک فونٹن پین دیا کہ یہ میری تحریروں کے اعتراف میں اس کی جانب سے ایک تحفہ ہے۔ میرے لئے یہ تحفہ ان تمغوں اور خطابات سے بڑھ کر ہے کہ جو ہمارے ادیب و دانشور حکومت سے لیتے ہیں۔ یہ کتاب اسی قلم سے لکھی گئی ہے۔

فہرست

اگر انسان یہ سوچے کہ حالات ناقابل برداشت ہیں اور یہ دیکھے کہ ان کا کوئی علاج نہیں ہے تو وہ ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ مسائل کا کوئی حل دیکھتا ہے تو اس نظام کو الٹ دیتا ہے کہ جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔

چاڈوک (Chadwick)

ابتدائیہ

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ یورپ کی ترقی اس کی برتر نسلی خوبیوں یا اس کے خاص ماحول کی وجہ سے ہوئی ہے' بلکہ یہ ہے کہ اس نے کس ماحول اور حالات میں رہتے ہوئے اپنے بڑھنے کے راستے تلاش کئے۔ اس پورے عمل کے مطالعہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ ترقی کے راستے بند نہیں ہوتے بلکہ کھلے ہوتے ہیں' مگر اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ذہن کو بھی کھلا رکھا جائے اور تبدیلی کو قبول کیا جائے چاہے اس کے لئے ہمیں اپنی روایات اور اداروں کو قربان کرنا پڑے۔ کیونکہ روایات اور ادارے معاشروں کے لئے ہوتے ہیں۔ یہ انسانی ضروریات کے تحت بدلتے رہتے ہیں۔ ترقی ہمیشہ آگے کی جانب دیکھتی ہے ماضی کی طرف نہیں لے جاتی ہے۔

پاکستانی معاشرہ اس وقت جس دوراہے پر کھڑا ہے' اسے زندہ رہنے' آگے بڑھنے اور وقت کا ساتھ دینے کے لئے اپنے ماضی اور اسکی روایات سے چھٹکارا پانا ہوگا ورنہ تاریخ میں جہاں قومیں تہذیب و تمدن میں ترقی کرتی ہیں۔ وہیں ایسی قومیں بھی ہوتی ہیں کہ جو تاریخی گمنامی میں رہتی ہیں۔

اس کتاب کی تیاری اور تعاون میں' میں خضر فاؤنڈیشن اور اس کے صدر ظفر خضر کا ممنون ہوں۔ اپنے ان قارئین کا بھی کہ جو اکثر میری تحریریں پڑھ کر اپنے خیالات سے آگاہ کرتے ہیں اور میرا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

ڈاکٹر مبارک علی

مارچ 2000ء

لاہور

پہلا باب

یورپ کا عروج کیوں ہوا؟

موجودہ دور میں ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک کے لئے یورپ ترقی کا ایک ماڈل ہے کہ جس کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اس کی ترقی اور اس کے عروج کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور پھر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اسی تاریخی عمل کو دہرایا جائے اور انہیں خطوط پر ترقی کی جائے کہ جن پر چل کر یورپ نے ترقی کی ہے۔

قوموں کی تاریخ میں' عروج و زوال' ایک معمہ رہا ہے اور مورخوں نے اس موضوع پر کافی سوچ و بچار کیا ہے کہ آخر کیوں ایک قوم ترقی کرتی ہے؟ اور پھر ایک مرحلہ پر پہنچ کر کیوں اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے؟ کیا اس عروج و زوال کے پیچھے کوئی قوانین ہیں؟ اگر ہیں تو کیا انہیں دریافت کیا جا سکتا ہے۔ ابن خلدون' اشپینگلر اور ٹوائن بی ان چند مفکرین میں سے ہیں کہ جنہوں نے اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن تاریخی عمل اس قدر پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے کہ اس کو نہ تو پوری طرح سے سمجھا گیا ہے اور نہ ہی اس کے قوانین کو مکمل طریقہ سے متعین کیا گیا ہے۔ اس لئے ان تمام نقطہ ہائے نظر کے باوجود یہ ابھی تک ایسا سوال ہے کہ جس کا پوری طرح سے جواب نہیں مل سکا ہے۔

دنیا کی اور دوسری تہذیبوں کی طرح یورپ کی تہذیب اور اس کا عروج تاریخ کا اہم موضوع ہے۔ مورخ اس عمل کا تجزیہ کرنے میں تو کامیاب ہو گئے کہ وہ کون سے عوامل تھے' وہ کون سی قوتیں تھیں' اور وہ کون سی طاقتیں تھیں کہ جنہوں نے یورپ کو پس ماندگی سے آگے بڑھایا! لیکن یہ سوال اب ذہنوں میں ہے کہ کیا یورپ اپنی اس

ترقی کو سہار سکے گا اور یا وہ بھی اس کے بوجھ تلے دب کر آہستہ آہستہ کمزور و خستہ ہوتا چلا جائے گا۔

یورپ کی ترقی اور اس کے عروج میں ایک مثبت پہلو تو یہ ہے کہ اس کے پاس ایک تو ان تمام تہذیبوں کا علمی و ادبی اور ثقافتی سرمایہ ہے کہ جو اس سے پہلے ابھریں اور زوال پذیر ہو گئیں۔ اس علمی سرمایہ میں خود اس کا اپنا حصہ بھی ہے۔ لہٰذا اس وقت اس کے پاس جو ذہنی و علمی فکر ہے وہ اس کی راہنمائی کرتی رہے گی۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے پاس جو علمی فکری سرمایہ ہے اس کی مدد سے وہ اپنے توازن کو برقرار رکھے گا۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جہاں کہیں ذہین اور تخلیقی افراد ہیں ان کے لئے یورپ و امریکہ بہترین منڈی ہے اس لئے وہ کونے کونے سے کھنچ کر وہاں جا رہے ہیں۔ اس عمل سے یورپ کو تازہ اور تخلیقی ذہن برابر مل رہا ہے۔

ترقی کے لئے کسی بھی معاشرے میں ضروری عنصر تبدیلی کا ہے۔ کچھ معاشرے ایسے ہیں جو تبدیلی کے عمل کی مزاحمت کرتے ہیں۔ لیکن جہاں اس عمل کو قبول و تسلیم کر لیا جائے وہاں معاشرہ آگے بڑھتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے معاشرے میں تبدیلی کو قبول کرنے اور پھر نئے حالات میں خود کو ڈھالنے کی صلاحیت ہے۔ کیونکہ کسی نظام میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی ہے کہ وہ انسان کے تمام مسائل کو آنے والے زمانہ تک کے لئے حل کر دے۔ ہر دور کے مسائل علیحدہ ہوتے ہیں اور ان کا حل بھی زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر مسائل کو حل کئے بغیر چھوڑ دیا جائے تو معاشرہ پس ماندہ ہو جاتا ہے لیکن اگر تحقیق و جستجو کے دروازوں کو کھلا رکھا جائے تو ذہن متحرک رہتا ہے اور مسائل کا حل نکلتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یورپی معاشرے میں تبدیلی کا عمل' تحقیق و جستجو' اور ذہنی و فکری تخلیق جاری ہے۔

دنیا کی تاریخ میں قوموں کی ترقی اور عروج کو اب تک ان کی فتوحات' ان کی سلطنت کی وسعت' اور ان کے فوجی کارناموں کی روشنی میں دیکھا گیا ہے' جیسے یونانی'

رومی اور عرب سلطنتوں کا پھیلاؤ ان کے جنرلوں اور فوجیوں کی وجہ سے ہوا۔ لیکن یورپ کی ترقی اور عروج میں ابتدائی حصہ اس کے تاجروں اور مشنریوں نے لیا۔ یہ تاجر تھے کہ جنہوں تجارت کی غرض سے دور دراز کے ملکوں کا سفر کیا' جغرافیائی اور تاریخی معلومات کو اکٹھا کیا اور منافع کمایا۔ تاجروں کے بعد ان کے جنرل' فاتح' اور فوجی آتے ہیں کہ جنہوں نے نوآبادیاتی نظام کی بنیاد ڈالی۔ اس لئے ہم ہندوستان میں اکثر یہ کہتے ہیں کہ انگریز اول تاجران کے روپ میں آئے اور پھر فوجی مدد سے اس ملک کو فتح کیا۔ اس وجہ سے اس کی ترقی میں پہلے تجارتی منافع اور پھر فوجی فتوحات ہیں جبکہ دوسری اقوام پہلے فتوحات اور پھر معاشی منافع کو حاصل کرتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سیاست پر سرمایہ کا زیادہ اثر ہوا نہ کہ سیاست سرمایہ کو کنٹرول کرتی رہی۔ اس عمل نے تاجروں' صنعت کاروں' اور سرمایہ داروں کو معاشرے میں زیادہ اہمیت دے دی۔

(1)

مورخین نے یورپ کی ترقی اور اس کے عروج کو کئی نقطہ ہائے نظر سے لکھا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یورپ کی ترقی کی وجہ اس کی آب و ہوا ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ یورپ کے لوگوں میں وہ خاص نسلی صفات ہیں کہ جن سے دوسری اقوام محروم ہیں' لہذا انہوں نے ان صفات کی مدد سے ترقی کی' اور انہیں صفات کی وجہ سے وہ آج دنیا میں سب سے آگے ہیں۔ یہاں ہم سب سے پہلے اس نظریہ کو پیش کریں گے کہ جس میں اس کو ثابت کیا گیا ہے کہ یورپ کی ترقی اس کے مخصوص' ماحول' اور لوگوں کی صفات کی وجہ سے ہوئی۔ اس موضوع پر ڈیوڈ ایس لانڈس (David S. Landes) نے اپنی کتاب "قوموں کی دولت اور غربت" میں اپنے دلائل دیئے ہیں:

وہ اقوام پر جغرافیائی ماحول اور آب و ہوا کے اثرات کا ذکر کرتا ہے تو ان مختلف رایوں کو دیکھتا ہے کہ جو ایشیا' افریقہ اور یورپ میں مقبول عام ہیں۔ مثلاً یورپ کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر سرد آب و ہوا ہو تو لوگ چست اور ذہین ہوتے ہیں۔ افریقہ کے

لوگوں کا کہنا ہے کہ سورج والے لوگ، یعنی موسم گرما میں رہنے والے تخلیقی صلاحیتیں رکھتے ہیں اور خوشی و مسرت سے بھرپور لطف اندوز ہوتے ہیں، جب کہ برف والے لوگ سرد اور انسانی جذبات سے عاری ہوتے ہیں (ان کے برعکس ابن خلدون کا کہنا ہے کہ معتدل آب و ہوا والے لوگ محنتی اور باصلاحیت ہوتے ہیں اور دوسری اقوام سے برتر ہوتے ہیں۔)

اس مرحلہ پر یہ سوال آتا ہے کہ اگر یورپ کے لوگ، بمقابلہ گرم ملکوں کے محنتی ہیں، تو پھر انہوں نے کیوں ترقی کی اور افریقہ و ایشیا کی اقوام کیوں پس ماندہ رہ گئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پس ماندگی کی وجہ نوآبادیاتی نظام ہے کہ جس نے ان ملکوں کے ماحولیاتی نظام کو خراب کیا۔ غلاموں کی تجارت سے افریقہ کی آبادی کو گھٹا کر اس کا توازن بگاڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ یورپی آب و ہوا کے بارے میں لانڈس کی دلیل یہ ہے کہ گرم ملکوں میں موسم کی شدت کی وجہ سے کام کرنے کی قوت گھٹ جاتی ہے۔ دوسرے گرم ملکوں میں کیڑے مکوڑے اور جراثیم زیادہ ہوتے ہیں۔ بیماریاں جلدی پھیلتی ہیں، اس لئے وبائیں زیادہ آتی ہیں۔ پانی میں جراثیموں کی وجہ سے صحت جلدی خراب ہوتی ہے۔ جہاں جہاں یورپی لوگ گئے انہوں نے ماحول کو خراب کرنے کے بجائے اسے بہتر بنایا۔ مقامی لوگوں کے معیار زندگی کو بڑھایا۔ طب اور نئی دواؤں کی مدد سے بیماریوں پر قابو پایا۔

اس کا کہنا ہے کہ افریقہ کے بعض علاقوں میں جہاں بہت زیادہ بارش ہوتی ہے وہاں اچھی فصلوں کا ہونا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ گھنے جنگلات ہونے کی وجہ سے شہر آباد نہیں ہونے پاتے۔ جہاں خشک آب و ہوا ہے وہاں صحرا ہیں۔ لہٰذا آب و ہوا کی اس شدت کی وجہ سے لوگوں کے مزاج میں تندی ہے۔ اس سختی کی وجہ سے لوگوں کی توانائی صرف غذا کے حصول پر صرف ہو جاتی ہے اور تہذیب و کلچر تخلیق کرنے کے لئے وقت نہیں رہتا ہے۔ (1)

مغربی یورپ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ سخت سردی کی وجہ سے جراثیم

اور بیکٹریا برف میں جمے رہتے ہیں اور اس تیزی سے نہیں پھیلتے جیسے کہ گرم ملکوں میں۔ وبائیں آتی ہیں' مگر کم۔ اس لئے یورپ کے لوگوں کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ وہ وباؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ماضی میں یہ وبائیں عذاب بن کر آئیں کہ جنہوں نے آبادیوں کا صفایا کر دیا۔ اس لئے انہوں نے ان سے تحفظ اور بچاؤ کے طریقے دریافت کئے اور وباؤں و بیماریوں کا مقابلہ کیا۔

مشرق اور مغرب کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ مشرق میں پانی پر حکومتوں کا کنٹرول رہا ہے' اس لئے وہاں مطلق العنان حکومتیں وجود میں آئیں اور رعیت حکمرانوں کے تسلط میں رہی۔ مثلاً بائبل میں ہے کہ قحط کے زمانہ میں فرعون نے کھانے کے عوض لوگوں کے مویشی' زمینیں' اور دولت ان سے لے لی۔ لیکن یورپ میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں بارشیں ہوتی رہتی ہیں اور پانی کی کمی نہیں ہے۔ پانی کے لئے لوگ حکومت کے محتاج نہیں' اس لئے لوگوں میں آزادی کا جذبہ ہے۔ (2)

کیا وجہ ہے کہ سمیری اور مصری تہذیبوں کے مقابلہ میں یورپ کی ترقی دیر سے ہوئی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ یورپ میں گھنے جنگلات تھے۔ لوہے کی دریافت کے بعد یہ اس قابل ہوئے کہ جنگل صاف کر سکیں اور زمین کو کاشت کے لئے استعمال کر سکیں۔ اس وجہ سے یورپ دیر سے اس قابل ہوا کہ اپنی آبادی کے لئے زائد مقدار میں غذا پیدا کر سکے۔ جب زائد مقدار میں غذا پیدا ہوئی تو اس کے بعد شہروں کی بنیاد پڑی کہ جنہوں نے دیہات کی پیداوار پر انحصار کیا۔ لیکن یورپ کی زیادہ زمین جنگلات میں گھری رہی جس کی وجہ سے مویشیوں کے لئے چراگاہیں وافر مقدار میں رہیں۔ اس وجہ سے مویشی زیادہ صحت مند اور طاقتور رہے۔ یورپی کسانوں نے گھوڑے کو کاشت کے لئے استعمال کیا' جو طاقت میں اور مویشیوں سے بڑھا ہوا تھا۔ مویشیوں کی لید کو کھاد کے لئے استعمال کیا گیا۔ کھاد کے استعمال اور زمین کی زرخیزی نے زیادہ پیداوار کی۔

یورپیوں کی غذا گھی' دودھ اور گوشت تھا جس کی وجہ سے یہ صحت مند اور طاقت

کیا طویل اور کام کرنے میں محنت جاں رہے۔ دیر سے شادی کا رواج تھا اس لئے آبادی پر کنٹرول رہا۔ بچوں کو نعمت کے بجائے معاشی بوجھ سمجھا جاتا تھا' لہٰذا افزائش آبادی رکی رہی۔ اس کے برعکس ایشیا کے حکمرانوں نے زیادہ آبادی کی وجہ سے لوگوں سے جبری محنت و مشقت اور مزدوری کرائی اور شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ایشیائی ملکوں میں دولت و غربت دونوں کی انتہا رہی۔ بقول لانڈس کے اگر پتھر بھی زیادہ ہوں تو ان سے خون نچوڑا جا سکتا ہے۔ یورپ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس نے اہرام جیسی شاندار عمارتیں نہیں بنائیں کہ جن کی تعمیر میں ہزارہا لوگوں کی جبری مشقت شامل ہے' اور جن کی تعمیر میں ہزارہا لوگوں نے جانیں دیں۔ (3)

لانڈس کی دلیل ہے کہ یورپ نے خود کو مشرق سے علیحدہ رکھا۔ قدیم زمانہ سے دونوں کے مزاج اور کردار میں بنیادی فرق رہا ہے۔ اس وقت جب کہ یونان میں آزاد شہری ریاستیں تھیں' اس کے مخالف ملک ایران میں مطلق العنان بادشاہت اور جاگیردارانہ نظام تھا۔ لہٰذا یہ فرق ایک آزاد فرد اور مطلق العنانیت کے تلے دبے ہوئے معاشرے کا تھا۔ یورپ میں نجی جائداد کو تقدس کا درجہ ملا ہوا تھا' جب کہ مشرق میں بادشاہ تمام جائداد کا مالک ہوتا تھا۔ نجی جائداد کو بعد میں مذہب نے بھی تحفظ فراہم کیا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے فرد حکومت کے مکمل تابع نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہ اور فیوڈل لارڈز میں تصادم رہا جس کی وجہ سے بادشاہ مکمل اختیارات کا مالک نہیں ہو سکا' فیوڈلز اور بادشاہ کے درمیان اس کش مکش نے علاقوں کو تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم نے مقابلہ کی روح کو پیدا کیا۔ جاگیردار اس پر مجبور ہوا کہ اپنی رعایا کے ساتھ بہتر سلوک کرے' ورنہ دوسری صورت میں وہ اس کا علاقہ چھوڑ کر دوسرے علاقہ میں چلے جاتے تھے جہاں زمین کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کسانوں کی مانگ رہتی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے برعکس چین جیسی بڑی امپائر میں لوگ اگر تنگ آتے تھے تو ان کے لئے ہجرت کرنے یا دوسرے علاقے میں جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کے علاوہ چینی خود کو مہذب سمجھتے تھے لہٰذا مہذب دنیا کو چھوڑ کر وہ وحشی لوگوں میں جانا پسند نہیں

کرتے تھے۔ اس لئے یورپ میں لوگوں کی ہجرت نے انھیں ہمیشہ زیادہ مواقع دیئے اور ان میں آزادی کی روح کو زندہ رکھا۔ (4)

لانڈس کا کہنا ہے کہ ابتداء میں بائبل پر چرچ کا قبضہ تھا۔ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ اس کی تعلیمات کیا ہیں؟ لیکن چرچ کے اس تسلط کے خلاف کئی تحریکیں اٹھیں ان میں 1376 میں لولارڈز (Lollards) 1514 میں لوتھر اور کالون (Calvin) قابل ذکر ہیں۔ ان مخالف تحریکوں کے نتیجہ میں بائبل کے مقامی زبانوں میں ترجمے ہوئے اور خواندہ لوگوں کی پہنچ براہ راست بائبل تک ہو گئی' اس نے چرچ اور مذہبی علماء کے اقتدار اور تسلط کو کمزور کیا۔ اس لئے یورپ کے شعور میں بائبل کی روایات آئیں۔ اس نے اقتدار کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ خدا کے پاس تمام اختیارات ہیں' پوپ اس کا نائب ہے' اور حکمران اس کے ماتحت ہیں۔ اس سوچ نے یورپ کے معاشرے کو دوسروں سے مختلف بنا دیا (5) کیونکہ اس نے طاقت کو تقسیم کر دیا۔ یہ کسی ایک فرد یا ادارے کے پاس مرتکز نہیں ہوئی۔

یورپی تہذیب کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لانڈس کہتا ہے کہ نیم آزاد شہروں کا قیام اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ ان شہروں کا انتظام کمیون (Commune) کیا کرتی تھی۔ یہ نظام مغربی یورپ کے علاوہ کہیں اور نہ تھا۔ کمیون کے معاشی فرائض تھے۔ یہ تاجروں کے مفادات کا تحفظ کرتی تھی۔ شہریوں کو سیاسی حقوق ملے ہوئے تھے سماجی طور پر معاشرہ کئی درجوں میں بٹا ہوا تھا۔ شہر آزادی کا دروازہ تھا۔ اسی وجہ سے جرمن کہاوت تھی کہ "شہری فضا آزاد کر دیتی ہے۔" شہروں کی وجہ سے دیہات کے لوگوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی آمدنی بڑھانے اور اپنے سماجی رتبہ کو اونچا کرنے کی خاطر شہر میں آ جائیں۔ ان کا خاندان گاؤں میں رہتا تھا اور وہ شہر میں رہتے ہوئے ان کی کفالت کرتا تھا۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حکمرانوں نے شہروں کو یہ مراعات کیوں دیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ تجارت اور منڈی کی سرگرمیوں کی وجہ سے ان کو آمدنی کا



تاجر یا بورژوا جاگیرداروں کے مخالف تھے اور حکمران ان کو اپنے ساتھ ملا کر جاگیرداروں کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے شہروں کو چارٹر دیئے کہ جس کے تحت وہ اپنا انتظام خود کرتے تھے۔ اس کے حقوق اور معاہدے کے احترام کی روایت پڑی۔ (6)

رومی سلطنت کے زوال کا ایک اثر یہ ہوا کہ یورپ ٹکڑوں میں بٹ گیا' تقسیم اس کے لئے باعث رحمت ہوئی کیونکہ جب بھی امپائر طاقتور رہی' اس نے اپنی رعایا کا استحصال کیا۔ اگر اس کے خلاف بغاوت ہوئی تو وہ امپائر کی طاقت سے مقابلہ نہیں کر سکی اور اسے سختی سے کچل دیا گیا۔ اس لئے امپائر کے جبر کے آگے رعیت کو اس کا ماتحت اور اطاعت گزار ہو کر رہنا پڑتا تھا۔ لیکن جب امپائر ٹکڑے ٹکڑے ہوئی تو اس سے انحراف بڑھا' لوگوں میں بغاوت کا حوصلہ ہوا۔ اس نے امپائر کا ڈر اور خوف کم کر دیا۔

یورپ کا ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس کو کوئی ایک فاتح فتح نہیں کر سکا۔ منگول اور ترک مغربی یورپ تک نہیں پہنچ سکے۔ انہیں راستے ہی میں چھوٹی ریاستوں سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ دسویں اور گیارہویں صدیوں میں جا کر یورپ بیرونی حملوں سے محفوظ ہوا۔ اسی دوران اس کی اندرونی شورشیں بھی کم ہوئیں اور اسے موقع ملا کہ اب وہ باہر کی جانب دیکھے۔ (7)

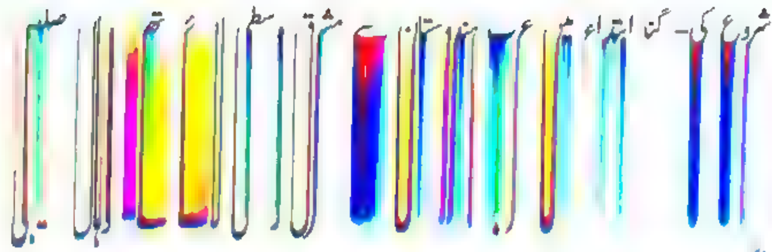
1096ء میں پہلی صلیبی جنگ میں یورپ نے اندرونی جھگڑوں کے بجائے اپنی قوت کو بیرونی حملوں کے لئے متحد کر لیا۔ اسپین سے مسلمانوں کا اخراج ہونا شروع ہوا اور 1492 میں ان کی آخری سلطنت غرناطہ کا خاتمہ ہوا۔ اسپین کو مکمل عیسائی بنانے کے بعد پرتگال سے مسلمانوں کا اخراج ہوا۔ جب یہ مشن پورا ہو گیا تو پھر یہ سوال ہوا کہ اب فوج کا کیا جائے؟ اس کی لوٹ مار کی عادت کو کیسے ختم کیا جائے؟ اس وجہ سے سمندروں کے راستوں کی دریافت اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ نئے علاقوں کی فتح

کے بعد لوٹ مار شروع ہوئی- مزید سرمایہ کے لئے سونے' مسالوں اور سلک کی تلاش شروع ہوئی- اب تک ایشیا کو جانے والے بحری و بری راستے مسلمانوں کے قبضے میں تھے- لہٰذا کوشش ہوئی کہ مسلمانوں کی اجارہ داری ختم کی جائے' راستوں کو محفوظ بنایا جائے تاکہ براہ راست تجارت ہو اور "مڈل مین" کا خاتمہ ہو-

پرتگال اور اسپین سمندری طاقتیں بن گئے- پرتگال مشرقی بحری راستے پر قابض ہو گیا تو اسپین نے مغرب کی طرف سے ایشیا جانے کے لئے راستے کو دریافت کرنے کی جستجو کی- اس کے نتیجہ میں امریکہ دریافت ہوا- اسپین اور پرتگال کے طریقہ کار میں فرق تھا- اسپین نے امریکہ پہنچنے کے لئے کوئی باقاعدہ مطالعہ نہیں کیا تھا- اس کے برعکس پرتگالی جہاں جہاں گئے انہوں نے ان ملکوں' لوگوں اور تجارت کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں- اسپین نے اپنی توانائی اس پر صرف کی کہ لوگوں کو عیسائی بنایا جائے' چرچ تعمیر کئے جائیں- عدالتوں اور جیل کی بنیاد ڈالی جائے تاکہ منحرفین کو سزائیں دی جائیں- اسپین کا مقصد دولت لوٹنا تھا جب کہ پرتگالی تجارت سے منافع حاصل کرنا چاہتے تھے (8) لیکن پرتگالی بھی مذہبی معاملات میں تشدد پسند تھے- یہ جہاں جاتے تھے پادریوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے جو ان کے لئے باعث برکت بھی ہوتے تھے اور ان کے لئے نجات کی دعائیں بھی کرتے تھے- ان کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کو یہ مذہبی جواز دیتے تھے- تجارت اور لوٹ مار کے ساتھ لوگوں کو عیسائی بنانا بھی ان کے مشن میں تھا- (9)

مسالوں کی ضرورت نے انہیں مشرق کی طرف بھیجا- کیونکہ اہل یورپ کو کھانوں کو محفوظ کرنے کے لئے مسالوں کی اہمیت و ضرورت کا احساس ہو گیا تھا- اب یہ موسم خزاں میں جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بھون کر اور مسالہ لگا کر سردیوں کے لئے محفوظ کر لیتے تھے- اس نے مشرق کی دریافت کے لئے راہیں ہموار کیں جو بالاخر وہاں سیاسی تسلط پر ختم ہوا اور مشرقی ممالک یورپ کی نوآبادیاں بن گئے-

دوسری طرف انگریزوں اور فرانسیسیوں نے جزائر غرب الہند میں شکر کی کاشت



شروع کی۔ گنا ابتداء میں عرب ہندوستان سے مشرق وسطیٰ لائے تھے جہاں سے صلیبی جنگوں سے لوٹنے والے اسے قبرص' کریٹ' یونان اور سسلی لے گئے۔ اس کی کاشت جزائر غرب الہند میں شروع ہوئی' چونکہ شکر بنانے کا کام محنت طلب تھا۔ اس لئے سفید فام اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ مقامی باشندے بھی جبر و تشدد کے باوجود اس سے دور رہے۔ اس لئے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے افریقہ سے غلاموں کو لایا گیا۔ تین صدیوں میں تقریباً 10 ملین افریقی یہاں آئے۔ گنے کے کیتوں اور شکر بنانے میں عورتیں و بچے اور مرد بغیر کسی اوزار کے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ یہاں سے شکر یورپ اور امریکہ کو برآمد کی جاتی تھی' وہاں سے اس کے عوض کھانا' کپڑے' اور برتن خریدتے تھے۔ انگلستان کے تاجر صنعتی اشیاء کے عوض غلام خریدتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں زراعت و صنعت میں ترقی ہوئی۔ برطانیہ کی صنعتی ترقی کی وجہ سے ایجادات میں اضافہ ہوا' نئی مشینیں بنیں تاکہ محنت کی جگہ لے سکیں۔ بالاخر اس نے صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کو تکمیل تک پہنچایا۔ (10)

لانڈس نے اپنی کتاب میں مغرب کی ترقی اور عروج کے بارے میں جو نقطہ نظر دیا ہے اسے تاریخ میں "یورپی مرکزیت" کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی دنیا کی تاریخ کو یورپ کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور یورپی مفادات کے تاریخی عمل کو جانچنا۔ لہذا اس نقطہ نظر میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یورپ کی ترقی اس کی اپنی اندرونی تبدیلیوں' اس کی تخلیقی صلاحیتوں' اور اس کی اپنی کوششوں اور جدوجہد سے ہوئی ہے۔ اس میں دوسری اقوام یا تہذیبوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نسلی اور اخلاقی طور پر اہل یورپ دوسری اقوام سے برتر ہیں' کیونکہ انہوں نے دوسروں سے کچھ نہیں سیکھا ہے اور جو کچھ ترقی کی ہے وہ ان کی اپنی محنت کا ثمرہ ہے۔ اس لئے یورپ کو اپنی ترقی میں کسی اور کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح یورپ کی ترقی میں جو مظالم ہوئے۔ افریقہ سے غلاموں کو لایا گیا۔ امریکہ اور جزائر غرب الہند کے مقامی باشندوں کا قتل عام ہوا' نوآبادیات کا استحصال ہوا' یہ سب اس لئے جائز ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی

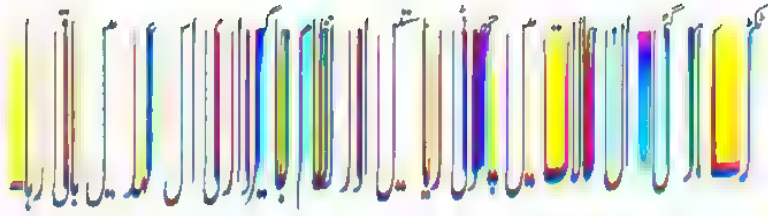
وجہ سے یورپ نے دنیا کو ترقی یافتہ تہذیب دی۔ للٰذا اس ترقی کے عمل میں اس کے منفی نتائج کو نظرانداز کر کے اس کے مثبت نتائج کو دیکھنا چاہئے۔

(2)

یورپ کی ترقی اور اس کے عروج کے بارے میں ایک نقطہ نظر فرنانڈ بروڈل (Fernand Braudel) کا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ جب قرون وسطیٰ میں یورپ غیر ملکی حملہ آوروں سے محفوظ ہو گیا' کہ جن میں ہن' منگول' اور عرب شامل تھے' تو اس نے اپنی اجتماعی طاقت کو استعمال کیا اور صلیبی جنگوں کے ذریعہ بحر روم کی دولت پر قبضہ کیا۔ لیکن خود یورپ اندرونی طور پر جنگوں میں الجھا رہا۔ جب 8 سے 10 صدیوں میں ناروے کے رہنے والے نورس (Norse) نے یورپ کے ملکوں پر حملے کئے تو اپنے دفاع کے طور پر نیدر لینڈ' نارلینڈ اور اٹلی نے اپنی بحری طاقت کو بڑھایا اور یوں یورپ دوسروں کے مقابلہ میں بحری طاقت میں زیادہ مضبوط ہو گیا۔

نورس نے نہ صرف یورپ کے ملکوں پر حملے کئے بلکہ انہوں نے امریکہ کو بھی دریافت کر لیا۔ مگر بقول بلجیم کے مورخ پیرین (Pirenne) یورپ کو اس وقت امریکہ کی ضرورت نہ تھی اس لئے اسے بھلا دیا گیا۔ یورپ میں دوسرے حملہ آور وائی کنگ (Viking) تھے جو اسکینڈینیوا سے آتے تھے اور حملہ کر کے مال و دولت لوٹتے تھے۔ بقول بروڈل انہوں نے چرچ کی اس دولت کو لوٹا کہ جو بیکار پڑی تھی اور پھر اس سرمایہ کو گردش میں لائے جس کی وجہ سے مغرب کی معیشت میں ترقی ہوئی۔ (11)

بروڈل کا کہنا ہے کہ 9 اور 10 صدیاں یورپ کی تاریخ میں "تاریک دور" کہلاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں اس کی معاشی حالت انتہائی کمزور تھی اور یورپ ایک ایسے قلعہ کی مانند تھا کہ جو محاصرے کی حالت میں ہو۔ وہ معاشی طور پر اس قابل نہیں تھا کہ بڑی سلطنت کا بوجھ سنبھال سکے۔ اگر وسیع و عریض سلطنتیں وجود میں آئیں بھی تو جلد ختم ہو گئیں' جیسے شارلمن کی سلطنت تشکیل تو ہوئی' مگر جلد ہی 814ء میں ٹکڑے



اور اس نے ایک "فیوڈل تہذیب" کو پیدا کیا کہ جس کی بنیاد پر یورپی تہذیب کی تشکیل ہوئی۔ (12)

بروڈل یورپ کی تاریخ میں دو انتہائی عناصر کی جانب نشان دہی کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یورپ نے اپنے اختلافات اور بو قلمونی کے باوجود' اپنی وحدت کو برقرار رکھا۔ اگرچہ یورپ میں ہر ملک کی اپنی شناخت رہی' اس ملک کے رہنے والوں نے اپنی زبان اور کلچر کو اہمیت دی' مگر اس تنوع کے باوجود یورپ نے بحیثیت مجموعی آرٹ' موسیقی' تعمیر' رقص' ادب اور فلسفہ و دیگر علوم میں مل کر ترقی کی۔ اگر اٹلی میں کوئی فلسفیانہ تحریک چلتی تھی تو وہ فوراً" دوسرے یورپی ملکوں میں پہنچ جاتی تھی۔ اگر جرمنی میں موسیقی یا فن تعمیر میں ندرت ہوتی تو دوسرے یورپی ملک اسے فوراً" قبول کر لیتے تھے۔ اس وجہ سے یورپ میں کسی ایک ملک کی ترقی سے دوسرے بھی اثر انداز ہوئے اور اس اجتماعی شرکت نے یورپی تہذیب کی تشکیل کی کہ جس میں ہر ملک کا حصہ ہے۔ اس وحدت نے یورپ کو مستحکم اور مضبوط رکھا اور اسے اس قابل رکھا کہ وہ بیرونی حملوں سے خود کو محفوظ رکھے۔

یورپ کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد کی آزادی کی اہمیت رہی ہے۔ اس کی تاریخ میں آزادی کے عنصر نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ چاہے مطلق العنان بادشاہتیں ہوں' چرچ کا تسلط ہو' یا جاگیردار کا جبر۔ لوگ اپنی آزادی کے لئے ان طاقتوں سے برسرپیکار رہے۔ اس کا مظہر یورپ کی تاریخ میں کسانوں کی بغاوتیں ہیں۔ شکست کھانے کے باوجود بار بار کسان ہر عہد اور ہر دور میں بغاوت کر کے اپنی آزادی اور حقوق کی مانگ کرتے رہے ہیں۔ اس کامیابی کا سب سے اہم واقعہ فرانسیسی انقلاب کے دوران "حقوق انسانی کا اعلامیہ" ہے کہ جس میں فرد کی آزادی اور قانون کے سامنے سب کی برابری کو تسلیم کیا ہے۔

پوری یورپی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ابتداء میں جماعتیں اور برادریاں اپنی

آزادی اور مراعات کا مطالبہ کرتی نظر آتی ہیں۔ مگر پھر جماعتوں اور برادریوں کی آزادی سے بات فرد کی آزادی تک پہنچتی ہے۔ آزادی کا یہ اہم عنصر تھا کہ جس نے یورپ میں مطلق العنانیت کو روکا' مقننہ اور عدلیہ کو اختیارات دیئے' اور انتظامیہ پر پابندیاں عاید کیں۔ جس کی وجہ سے ریاستوں میں برل دساتیر نافذ ہوئے' لوگوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا گیا' آزادی رائے و تحریر کو فروغ ملا۔ بروڈل اس پہلو کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :

> کوئی یہ کہنے کی جرات کرتا ہے کہ لبرل ازم کو سیاست سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس کی دانشورانہ اہمیت کو کم کر دیا گیا ہے اور یہ کہ یہ جدید زمانہ میں مرچکا ہے۔ کیا ایسا ہے؟ یہ ہمارے لئے ..... مغربی تہذیب کے لئے یہ سب سے اعلیٰ مثالی نظریہ ہے چاہے اس کو کتنا ہی برا بھلا کہا جائے اور اس سے منہ موڑا جائے۔ یہ ہمارے ورثہ کا اہم حصہ رہے گا اور ہماری زبان کا بھی۔ دیکھا جائے تو یہ ہماری فطرت کا حصہ بن چکا ہے' اس لئے جب بھی فرد کی آزادی کو پامال کیا جاتا ہے تو ہم اس پر احتجاج کرتے ہیں اور غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ جب بھی مطلق العنان یا ٹیکنوکریٹ حکومتیں یا معاشرے جبر و تشدد سے اسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں' تو فرد کی آزادی اور حقوق کے نام پر آواز بلند کی جاتی ہے۔ (13)

بروڈل یورپ کی تاریخ میں آزادی کی اہمیت بیان کرتا ہے کہ جس نے یورپی معاشرے کو چست اور چاق و چوبند رکھا۔ کچھ مورخ اس بنیاد پر یورپ اور ایشیا میں تفریق کرتے ہیں کہ یورپ میں معاشرہ آزادی کی جدوجہد کر رہا تھا جب کہ ایشیا میں معاشرہ مطلق العنان اور جابر بادشاہوں کے ڈر اور خوف سے سہا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ہیرو ڈوٹس بھی یونان اور ایران کی جنگوں کو آزادی اور مطلق العنانیت کے درمیان

تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے سیاسی حقوق میں برابری ایک یہی اقدار ہے انسان اس کی حفاظت کے لئے جدوجہد کرتا ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرتا ہے۔

مغرب اور مشرق میں ایک امتیاز یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ مشرق میں جتنے بھی قانون آئے وہ الٰہی تھے' یعنی حمورابی سے لے کر یہودیت' عیسائیت اور اسلام نے معاشروں کو مذہبی قوانین کے ذریعہ کنٹرول کیا۔ اس کے برعکس مغرب میں انسانی قوانین تھے' چاہے قدیم زمانہ میں لکرگس کے قوانین ہوں' یا سولن کے' یا رومی۔ اس فرق کی وجہ دونوں معاشرے مختلف جہتوں میں چلے۔ الٰہی قوانین تبدیل ہونے والے نہیں ہوتے۔ اس لئے معاشرے ان قوانین کے تحت ایک جگہ ٹھہر گئے۔ جب کہ انسانی قوانین مقدس نہیں ہوتے ہیں اور انہیں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مغرب میں تغیر و تبدل ہوتا رہا اور معاشرہ متحرک رہا۔

(3)

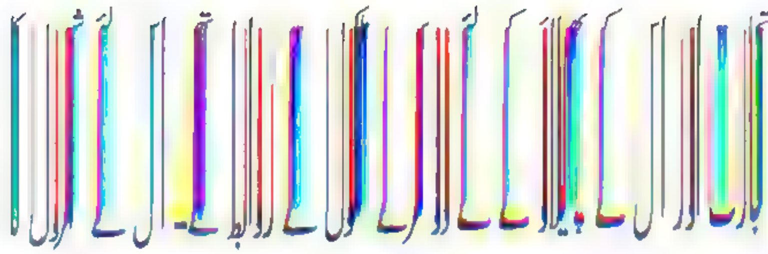
یورپ کی ترقی کے بارے میں تیسرا نقطہ نظر جے۔ ایم۔ بلاٹ (J. M. Blaut) کا ہے۔ جو پہلے اس سوال کو اٹھاتا ہے کہ یورپ میں سترہویں صدی میں کیوں صنعتی انقلاب آیا اور کیوں اس نے سیاسی و معاشی اور سماجی طور پر ترقی کی؟ جبکہ 1492ء سے پہلے یورپ اور افریقہ کے معاشی حالات' ان کے ذرائع' اور نظام پیداوار ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہ تھے اور یہ ممالک بھی نظام جاگیرداری سے سرمایہ داری کی جانب آ رہے تھے۔ تاریخی شہادتوں سے یہ ثابت ہے کہ قرون وسطیٰ میں یورپ ایشیا و افریقہ سے آگے یا ترقی یافتہ نہیں تھا۔

1492ء کو یورپ کی تاریخ میں اہم سال قرار دیا جاتا ہے' کیونکہ اس سال امریکہ یا نئی دنیا کی دریافت ہوتی ہے' اس نئی دنیا کی دریافت نے یورپ کو سرمایہ اور طاقت دی' جس کی مدد سے نظام جاگیرداری ختم ہوا۔ سترہویں صدی میں یورپی ملکوں میں صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے سیاست و معیشت اور سماج پر اپنا تسلط مضبوط کرنا شروع

کر دیا۔ اس دور میں نو آبادیاتی نظام کی بنیاد پڑی اور اس مرحلہ سے یورپ کی ترقی شروع ہوئی جس نے دوسرے ملکوں کو آہستہ آہستہ پیچھے چھوڑنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد سے ترقی کی رفتار میں فرق آ گیا۔ یورپ آگے بڑھتا رہا اور دوسرے ملک پیچھے پیچھے ہٹتے گئے۔ یہ حالت اب تک برقرار ہے۔

بلاٹ اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل دیتا ہے کہ 1492ء تک یورپ کو دوسرے ملکوں پر کوئی فوقیت نہیں تھی۔ قرون وسطی کا یورپ نہ تو ترقی یافتہ تھا اور نہ اس میں کوئی غیر معمولی صلاحیت و تجربہ تھا کہ جو اسے آگے لے جا سکتا تھا۔ اس لئے دیکھا جائے تو یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کے عروج میں کولونیل ازم کا حصہ ہے۔ یورپ میں سرمایہ داری وقت کے ساتھ ضرور آتی' مگر اس کے آنے میں کئی صدیاں لگ جاتیں' اور یہ صرف یورپ ہی میں نہیں آتی بلکہ اور کئی دوسرے ملکوں میں بھی آتی۔ لیکن نو آبادیاتی نظام کی وجہ سے یہ یورپ میں پہلے آ گئی۔ لہٰذا 1492ء سے سرمایہ دارانہ نظام کی تشکیل میں نو آبادیات ایک اہم عنصر رہا ہے۔ بلاٹ ان مختلف نقطہ ہائے نظر کو بھی پیش کرتا ہے جو یورپ کے عروج کے بارے میں ہیں۔ مثلاً مارکسسٹ نقطہ نظر کے مطابق یورپ میں سرمایہ داری اس کی اندرونی تبدیلیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔ لیکن بلاٹ کا کہنا ہے کہ یورپ میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کے درمیان کوئی مقابلہ' تصادم' یا کش مکش نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ نقطہ نظر پوری طرح سے صحیح نہیں ہے۔ اس کے برعکس 1492ء میں یورپ میں ایک غیر معمولی تبدیلی دیکھنے میں آتی ہے۔

یورپ کی ترقی اور سرمایہ داری نظام کے عروج کے سلسلہ میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ قرون وسطی کے یورپ میں دسویں صدی میں شہروں کا عروج ہوا' اور یہاں سے تاجروں نے دور دراز کے ملکوں میں تجارت شروع کی جس کے لئے بری اور بحری راستوں کو دریافت کیا۔ یہ ارتقائی عمل سرمایہ داری کی جانب تھا۔ بلاٹ کا کہنا ہے کہ دیکھا جائے تو یہ عمل صرف یورپ ہی میں نہیں ہو رہا تھا' بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی



قیام اور تجارت محض یورپی تاریخ کا حصہ نہیں ہے۔ (14)

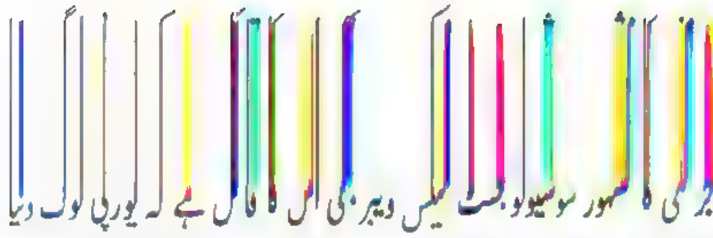
بلاٹ اس تھیوری کو بھی رد کرتا ہے کہ جس کے تحت اس کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام یورپی تہذیب کی پیداوار ہے اور یہاں سے یہ دوسرے ملکوں میں گیا۔ اس طرح یورپی کلچر دوسروں سے ممتاز تھا کیونکہ اس کی نشوونما اور ترقی میں روحانی اور ذہنی عناصر کام کر رہے تھے۔ تخلیقی ذہن اور ٹکنالوجی نے اس کلچر کو برتر بنا دیا۔ یورپ سے باہر اس قسم کا کوئی کلچر نہیں تھا کہ جس میں توانائی اور جان ہو' بلکہ یہ ایک مجبور کلچر تھا جس نے معاشروں کو ٹھٹھر کر رکھ دیا تھا۔ ان معاشروں کا انحصار محض روایات پر تھا کہ جو وقت کے ساتھ بے جان ہو چکی تھیں۔ اس لئے جب یورپ کا واسطہ ان ملکوں سے ہوا تو ان کی بے جان زندگی میں حرکت ہوئی' اور انہوں نے یورپ سے آگے بڑھنے اور تبدیل ہونے کا سبق سیکھا۔ غیر یورپی ملکوں نے یورپی افکار' خیالات اور اداروں کو اختیار کر کے مادی دولت حاصل کی' ورنہ اس سے پہلے یہ غیر متمدن' پس ماندہ' اور جاہل تھے۔ (15)

یورپی سرمایہ داری کے عروج کے سلسلہ میں جو مختلف نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے اہم یہ ہیں کہ : یورپ میں بورژوا طبقہ کے عروج کی وجہ سے فیوڈل نظام کمزور ہوا۔ ایک دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یورپ نے اپنے فیوڈل نظام کو اس لئے دوسروں کے مقابلہ میں جلد ختم کر دیا' کیونکہ اس وقت یورپ تہذیبی علاقوں سے دور تھا اور کئی لحاظ سے پس ماندہ تھا۔ اس عدم استحکام کی وجہ سے اس کا فیوڈل نظام حالات کو نہیں سہار سکا اور کمزور ہو کر ختم ہو گیا۔ تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یورپی کلچر میں نفاست و انسانیت نہیں ہے' بلکہ اس میں وحشی پن ہے۔ اس کی خصوصیت جارحانہ ہے کہ حملہ کرو' فتح کرو' اور لوٹ مار کر کے جبر و تشدد سے دوسری قوموں کو غلام بناؤ۔ اس جذبہ نے اس کو سرمایہ دار اور ترقی یافتہ بنایا۔ (16)

یورپ کے اسکالرز میں اکثریت ان کی ہے کہ جو یورپ کی ترقی کو یورپی نقطہ نظر

سے دیکھتے ہوئے' اس کی جڑیں صرف یورپ میں دیکھتے ہیں۔ وہ یورپ کے عروج کو یا اس کی تہذیب کی فتح مندی کو ایک معجزہ قرار دیتے ہیں کہ جو اور قوموں اور تہذیبوں سے بالکل الگ تھلگ اور ممتاز ہے۔ جب وہ یورپ کی ترقی اور ایشیا کی پس ماندگی کی بات کرتے ہیں تو دلیل کے طور پر وہ دونوں کے جغرافیائی ماحول کے فرق اور اس کے نتیجہ میں جو معاشی اور سماجی ادارے ہیں ان کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ ایشیا اس لئے پس ماندہ رہ گیا کیونکہ یہ ایک خشک براعظم ہے۔ لوگوں کا انحصار پانی کے ذرائع پر ہے۔ اس لئے جو پانی پر کنٹرول کرتا ہے وہ حکومت کرتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں سماجی ڈھانچہ طبقاتی نہیں رہا (جیسا کہ یورپ کا تھا) اس سماجی ڈھانچہ میں ریاست اور نچلی سطح پر گاؤں غیر طبقاتی تھے۔ اس لئے ان کی تاریخ میں طبقاتی جدوجہد نظر نہیں آتی ہے۔ لہٰذا جس طرح سے یورپ غلامی سے جاگیرداری' اور جاگیرداری سے سرمایہ دور میں آیا' اس طرح سے ایشیائی ملکوں میں تاریخی عمل نے یہ شکل اختیار نہیں کی۔

اس کے مقابلہ میں یورپ میں فیوڈل لارڈ اور سرف کے درمیان کش مکش رہی۔ اس کے نتیجہ میں جاگیرداری نظام میں تبدیلی آئی۔ مثلاً انگلستانی زمین تو فیوڈلز کے پاس رہی' مگر کسان ان کی زمینوں پر شرکت کے ساتھ کام کرنے لگے۔ بڑے جاگیردار جنہوں نے زمینوں کو مقاطع پر دیا تھا' انہوں نے نئی ایجادات کی سرپرستی کی اور بعد میں یہ سرمایہ دار بھی بن گئے۔ اس طرح انگلستان میں سرمایہ داری نظام دیہات سے ابھرا۔ اس میں نوآبادیاتی نظام یا شہروں کا کوئی حصہ نہیں تھا' بلکہ یہ اندرونی عناصر کی پیداوار تھا (17) دراصل اس نظریہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ یورپی سرمایہ داری کسی بھی طرح سے نوآبادیات کی محتاج نہ تھی بلکہ اس کا ارتقاء اس کے اپنے حالات کے تحت ہوا تھا۔ غیر یورپی ملکوں سے تجارت کے نتیجہ میں یورپی سرمایہ داری کی ترقی میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ انگلستان میں سرمایہ داری نظام دیہات میں طبقاتی کش مکش کی وجہ سے ابھرا' غیر یورپی ملکوں کی تجارت کی وجہ سے نہیں۔



برتری کا ظہور سوشیولوجسٹ میکس ویبر بھی اس کا قائل ہے کہ یورپی لوگ دنیا کی تاریخ میں خاص خصوصیات کے حامل ہیں' جب کہ دوسری اقوام عقل و فہم میں ان سے کم تر ہیں۔ یورپی تہذیب کی برتری میں وہ ان کے مذہب کو بھی ایک اہم سبب قرار دیتا ہے کہ جو دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ عقلیت پر زور دیتا ہے۔ جب وہ سماجی اور معاشی اداروں کی بات کرتا ہے تو شہروں کا کردار' جاگیرداری نظام' نجی جائداد کے ادارے کو اہمیت دیتا ہے' خاص طور سے نجی جائداد کو جو یورپ میں مضبوط تھی' جب غیریورپی معاشروں میں زمین یا جاگیر صرف ملازمت کے دوران ملتی تھی۔ یورپ کی ترقی میں دوسری وجوہات کو بتاتے ہوئے وہ اس کی آب و ہوا کو اس کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ اس ساحلی علاقوں' اور بندرگاہوں کی وجہ سے تجارت کے لئے سازگار ماحول تھا' اس لئے یورپ' ایشیا سے مختلف ہے اور اس کی ترقی بھی اس کی اپنی توانائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (18)

بلاٹ ان تمام نقطہ ہائے نظر سے متفق نہیں ہے جو یورپ کی مرکزیت کو تاریخ میں مرکزی نقطہ بنا کر تاریخی عمل کو اس کے اردگرد دیکھتے ہیں اور اس سے باہر جو کچھ ہو رہا تھا اسے نظرانداز کر دیتے ہیں۔ وہ 1492ء کے سال کو انتہائی اہم قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> 1492ء میں' جیسا کہ ہم نے دیکھا ایشیا' افریقہ اور یورپ کے بہت سے علاقوں میں سرمایہ داری ابھر رہی تھی اور فیوڈل ازم روبہ زوال تھا۔ اس سال یہ ناممکن تھا کہ پیش گوئی کی جا سکتی کہ سرمایہ داری صرف یورپ میں کامیاب ہو گی۔ اور وہ بھی دو صدیوں بعد۔ سرمایہ داری فتح سے میرا مطلب بورژوا طبقہ کا ابھار ہے کہ جنھوں نے سیاسی طاقت و اقتدار کو چیلنج کیا۔ اور بورژوا انقلابات لائے۔ (19)

اس کے بعد وہ سرمایہ داری کے عروج کے متعلق کچھ سوالات اٹھاتا ہے کہ (1)

آخر وہ کون سی وجوہات تھیں کہ امریکہ کی دریافت یورپیوں نے کی' افریقی اور ایشیائی اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے؟ (2) وہ کون سی وجوہات تھیں کہ یہ مہم کامیاب رہی؟ (3) سولہویں صدی میں امریکی ذرائع کی لوٹ مار اور اس کے یورپ پر اثرات۔ امریکہ کے مزدوروں کا استحصال کہ جس نے یورپ کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ بالآخر سترہویں صدی میں نوآبادیاتی نظام جس کے نتیجہ میں امریکہ' ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا استحصال' سرمایہ داری نظام کی فتح اور بورژوا انقلاب کی کامیابی۔

وہ ان سوالات کے جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یورپیوں نے امریکہ اس لئے فتح کیا کہ یہ جغرافیائی طور پر یورپ کے قریب تھا۔ ورنہ اسی دور میں چینی' افریقی' عرب اور ہندوستانی سمندروں میں سفر کر رہے تھے اور بحری راستوں کے ذریعہ تجارت میں مصروف تھے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یورپی دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ مہم جو' ترقی پسند' یا سائنس اور ٹکنالوجی میں بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس ہندوستان جانے کے لئے راس امید' اور اٹلانٹک کے بحری سفر کی معلومات اور ٹکنالوجیکل مدد پرتگالیوں اور ہسپانویوں نے عربوں سے حاصل کیں۔ انہوں نے بحری راستوں کو دریافت نہیں کیا' بلکہ زمانہ قدیم سے سمندر میں سفر کرنے والے ان سے واقف تھے۔ یورپ نے ان راستوں کو اس لئے اختیار کیا کیونکہ ان کے لئے خشکی کے راستے بند ہو چکے تھے۔

دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بلاٹ کہتا ہے کہ یورپی امریکہ میں اس لئے کامیاب رہے کہ مقامی باشندوں کے مقابلہ میں ان کی فوجی ٹکنالوجی زیادہ بہتر تھی' اس لئے ان کی مزاحمت کم ہوئی۔ دوسرے یورپیوں نے مقامی باشندوں میں بیماریوں کو پھیلایا جس نے ان کی آبادی کو گھٹا دیا۔ سولہویں صدی میں میکسیکو کی آبادی گھٹ کر 10% رہ گئی۔ اس وجہ سے یورپی آسانی سے ان کی زمینوں پر قابض ہو گئے۔

تیسرے سوال کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ امریکہ پر تسلط کا مقصد دولت کمانا تھا۔ اس دولت سے انہوں نے یورپ میں سرمایہ کاری کی' زمینیں خریدیں' زراعت کو

تجارتی بنیاد پر ڈھالا' اور صنعت و حرفت میں نئے اضافے کئے۔ اس کی وجہ سے ان کے معاشرے میں سماجی تبدیلیاں آئیں اور تاجر طبقہ طاقت میں بڑھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ایشیا و افریقہ میں نوآبادیاتی نظام کی ابتداء ہوئی۔ امریکہ کا سونا اور چاندی اس تجارت میں استعمال ہوا' کیونکہ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ممالک سے کپڑا اور مسالے یورپ کو آتے تھے۔ (20)

یورپ کی ترقی میں سب سے اہم کردار اس لحاظ سے امریکہ نے ادا کیا کہ جس کی کانوں سے سونا چاندی اور دوسری معدنیات یورپ آ رہی تھیں۔ آمدنی کا دوسرا ذریعہ جزائر غرب الہند میں پلانٹیشن کے ذریعہ زراعتی پیداوار ہوئی خاص طور سے شکر' کہ جس کی پیداوار اور تیاری میں افریقہ سے غلاموں کو لایا گیا۔ امریکہ کی اندرونی تجارت سے جو منافع ہوتا تھا وہ بھی یورپ چلا جاتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق 1646 میں 180 ٹن سونا اور 1700 ٹن چاندی امریکہ سے یورپ گئی تھی۔ 1580 سے 1561 تک 85% فیصد چاندی امریکہ سے آئی۔ امریکی سونے اور چاندی نے یورپ کو سرمایہ فراہم کیا۔ اس کی وجہ سے یورپی اس قابل ہوئے کہ وہ زمین کی خریداری یا مزدوروں کو زیادہ تنخواہیں ادا کر سکتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے بین الاقوامی تجارت کو کنٹرول کرنا شروع کیا۔ اس وقت کے بحری مراکز جیسے سوفالا' کالی کٹ اور ملاکا ان کے قبضے میں آ گئے۔ امریکی سونے اور چاندی نے یورپ کے ابتدائی سرمایہ دار کو موثر ہتھیار فراہم کئے جس کی مدد سے اس نے غیریورپی سرمایہ دار سے مقابلہ کیا اور اسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ (21)

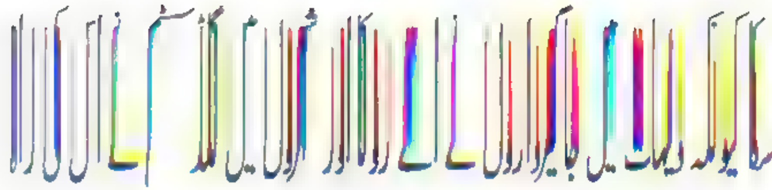
بلاٹ نے ان تمام دلائل کا موثر جواب دیا ہے کہ جو "یورپ کی مرکزیت" کا نقطہ نظر رکھنے والوں نے یورپ کے عروج کے لئے دیئے ہیں اور اسے انسانی تاریخ میں ایک معجزہ بتایا ہے۔ اس کا کہنا ہے یورپ کے مقابلہ میں ایشیا کی تصویر کو مسخ کر کے بتایا گیا ہے۔ مثلاً آب و ہوا اور جغرافیائی ماحول کے بارے میں افریقہ کے بارے میں اس تصویر کو پیش کیا کہ خط استواء میں ہونے کی وجہ سے اس کی گرمی ناقابل برداشت ہے۔

بارش اور گرم موسم کی وجہ سے باشندے سست و کاہل ہیں۔ ایشیا کے بارے میں یہ مقبول عام تصور پیدا کیا گیا کہ اس میں مطلق العنان حکومتیں ہیں کہ جنہوں نے رعایا کو کچل کر رکھا۔ لہٰذا افریقہ اور ایشیا کے لوگ اپنے حالات اور ماحول کی وجہ سے اس قابل نہیں ہیں کوئی اعلیٰ تہذیب و تمدن پیدا کر سکیں۔ بلاٹ اس متھ کو توڑتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ مغرب کا عروج کوئی معجزہ نہیں تھا اور نہ ہی یورپ کے لوگ نسلی یا اخلاقی اعتبار سے دوسروں سے برتر ہیں۔ اس کی ترقی کی ایک اہم وجہ امریکی ذرائع اور ان کا استعمال ہے۔

(4)

یورپ کی ترقی اور عروج کے بارے میں' مورخوں کے درمیان بحث و مباحثہ جاری ہے۔ کچھ مورخ اس ترقی کے پس منظر میں عقلیت کے عنصر کو اہمیت دیتے ہیں کہ جس نے اہل یورپ کو دوسروں کے مقابلہ میں آگے بڑھنے میں مدد دی۔ اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہ یورپ کے پاس امریکہ ذرائع سے سرمایہ اکٹھا ہو گیا تھا' ان کا کہنا ہے کہ صرف سرمایہ کا اکٹھا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا ہے یہ خرچ ہو کر ختم بھی ہو سکتا ہے۔ سرمایہ کے استعمال کے لئے صلاحیت اور ذہانت کی ضرورت ہے کہ اس میں کیسے بچت کی جائے اور اس کی سرمایہ داری کیسے ہو کہ جو منافع بخش ہو۔ لہٰذا یورپی معجزہ خاص حالات کی پیداوار ہے یہ یونانی' جرمن کلچر اور عیسائیت کی تعلیمات کی بنیادوں پر ہوا۔ یہ معجزہ اس لئے بھی ہوا کہ بہت سے تاریخی واقعات ایک خاص مرحلہ پر آ کر واقع ہوئے کہ جن کا یورپ کو فائدہ ہوا۔ اس کو "تاریخی عمل کا ایک بے مثال" نمونہ کہہ سکتے ہیں۔

کارل مارکس نے بھی یورپ کی ترقی کو یورپ کی مرکزیت کے نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ وہ اس کے ارتقائی منازل کی نشاندہی کرتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں اس کی شکل "سودی سرمایہ" اور "تاجرانہ سرمایہ" کی تھی۔ سودی سرمایہ اس لئے نہیں پھیل



میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اس وجہ سے مینوفیکچررز صرف بندرگاہوں میں تجارت کر سکے یا ایسی جگہوں پر کہ جہاں میونسپلٹی اور گلڈ نہیں تھیں۔

سرمایہ داری کا بیج تو بہت پرانا تھا مگر اس کو ابھرنے اور پھلنے و پھولنے کا موقع اس وقت ملا کہ جب جاگیردارانہ نظام ٹوٹا اور تاجرانہ سرمایہ کو آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ سرمایہ کے مرکز ابتداء میں وہ ملک تھے کہ جو جنگوں سے دور رہے۔ اسپین' اٹلی' اور آسٹریا لڑائیوں میں مصروف تھے' جبکہ ہالینڈ' جرمنی اور انگلستان کے مہم جو تاجروں نے بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ یورپ میں سرمایہ کے ارتکاز کا عمل رکا نہیں' بلکہ یہ جاری رہا۔ جب ایک مرکز کمزور ہوا تو اس کی جگہ دوسرے نے لے لی۔ سترہویں صدی میں آ کر یہ انگلستان میں مجتمع ہوا۔ موجودہ سرمایہ نے جو عالمی منڈی قائم کی ہے اس کی وجہ امریکہ کی دریافت ہے کہ جس کے ذرائع سے یورپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

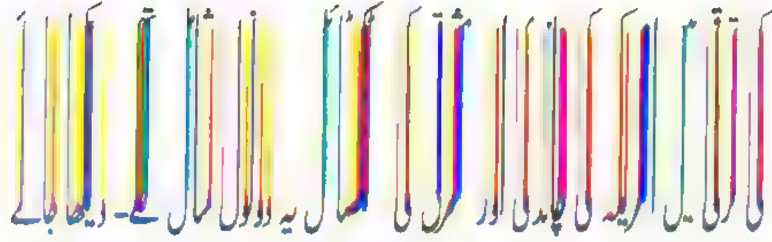
بلاٹ کی طرح آندرے گنتھر فرانک نے یورپ کی مرکزیت اور یورپ کے عروج اور اس کے معجزہ پر کڑی تنقید کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک وقت تھا کہ جب یورپ میں مشرق کے بارے میں بڑے رومانوی خیالات تھے یہ ایک دلکش' سحر زدہ' مال و دولت سے بھرپور' اور دل لبھانے والی جگہ تھی۔ لیکن نوآبادیاتی نظام اور صنعتی ترقی نے مشرق کی اس تصویر کو مسخ کرنا شروع کیا اور اب یہ رومانوی سے پس ماندہ اور زوال پذیر ہو گیا۔ اس کی جگہ "یورپی مرکزیت" کے نقطہ نظر نے لی۔ کارل مارکس اور میکس ویبر بھی اس کا شکار ہوئے کہ جنہوں نے مشرق میں مطلق العنانیت' منجمد ذرائع پیداوار' عقلیت کے خلاف مذہبی رویوں کو پایا کہ جن کی وجہ سے وہاں سرمایہ دارانہ نظام نہیں پیدا ہو سکا۔

فرانک کا کہنا ہے کہ مغرب کے عروج اور اس کی ترقی کو عالمی اقتصادی تاریخ کے پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یورپ کے عروج سے پہلے بھی ایک عالمی اقتصادی

نظام وجود میں تھا۔ یعنی 1400 سے لے کر 1800 تک۔ اس عہد میں یورپ کے پاس در آمد کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ اس لئے تجارت میں جو خسارہ ہوتا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے اس کے پاس وسائل نہیں تھے۔ یورپ اس وقت جو تجارت کرتا تھا اس کا راستہ یہ تھا: افریقہ سے امریکہ' امریکہ سے ایشیا' ایشیا سے امریکہ اور افریقہ۔ ایشیا کے اندر وہ جاپان اور دوسرے ملکوں سے تجارت کر کے منافع کماتا تھا۔ اس وقت چین اور ہندوستان پیداوار کی زیادہ مقدار رکھتے تھے۔ ہندوستان میں کپڑے کی صنعت انتہائی ترقی یافتہ تھی' جبکہ چین میں سلک' سرامک' چائے' سونے و چاندی کے سکے اور زراعتی پیداوار کافی ہوتی تھی۔ یورپ ہندوستان اور چین کو نقد ادائیگی کرتا تھا۔ یہ ادائیگی امریکہ سے حاصل کی ہوئی چاندی سے ہوتی تھی جو ہندوستان اور چین میں آ کر ان کی ملکیت بن جاتی تھی۔

سترہویں صدی میں یورپ کی ٹکنالوجی کا ارتقاء عالمی اقتصادی صورت حال کی وجہ سے ہوا۔ یہ خالص یورپی نہیں تھا' بلکہ اس میں مشرق کا بھی حصہ تھا۔ سترہویں اور اٹھارویں صدی میں ایشیا صنعتی طور پر ترقی پذیر خطہ تھا۔ چین میں اس وقت منگ' جاپان میں توگو کاوا' ہندوستان میں مغل' ایران میں صفوی اور ترکی میں عثمانی سلاطین حکومت کر رہے تھے جن کے پاس وسائل کی کمی نہ تھی۔ یورپ ان کی صنعتی پیداوار کو خریدنے کے قابل ہوا کہ اسے امریکہ سے چاندی مل گئی۔ ایشیا میں اس وقت یورپ سے زیادہ آبادی تھی' اس آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اس نے پیداوار کو بھی بڑھایا۔ 1750 میں 66% آبادی کی ضروریات کے لئے 80% پیداوار تھی۔

امریکہ پر قبضہ اور وہاں یورپی لوگوں کے آباد ہونے کی وجہ سے' مغرب کی معاشی' سماجی صورت حال بدل گئی۔ چاندی کے علاوہ امریکہ سے شکر' تمباکو' کپاس' اور لکڑی حاصل کی جاتی تھی' جس نے ان کی معاشی حالت کو بہتر بنایا۔ شکر اور کوڈ مچھلی نے ان کی غذا میں کلوریز بہم پہنچائیں۔ اب وہ اس قابل ہوئے کہ مشرق سے روئی کے بنے کپڑے در آمد کر سکیں' جن کی وجہ سے انہیں اونی کپڑوں سے نجات ملی۔ لہٰذا مغرب



تو اٹھارویں صدی یورپ کے عروج اور مشرق کی پس ماندگی کی نہیں تھی' بلکہ ایشیا کی اقتصادی ترقی نے یورپ کو پس ماندگی سے نکالا۔ پھر مشرق کے زوال نے یورپ کو عروج عطا کیا۔ عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو مغرب کے عروج میں مشرق برابر کا شریک ہے۔

انگلستان کے صنعتی انقلاب کے بارے میں فرانک کی یہ رائے ہے کہ اس کی ابتداء کپڑے کی صنعت سے ہوئی۔ کوئلہ اور بھاپ نے سستی انرجی دی۔ سرمایہ کو کانوں میں اور ذرائع نقل و حمل کے بہتر بنانے میں لگایا گیا۔ ہندوستان کی کپڑے کی صنعت نے اس کا مقابلہ کیا' مگر سستی مزدوری اور کوئلے اور لوہے کے کم استعمال نے ٹکنالوجی کی ایجاد کو نہ ہونے دیا۔ اس میں زوال اٹھارویں صدی کی دوسری دہائی میں آیا۔ جب انگلستان نے یہاں سیاسی اقتدار حاصل کیا تو ہندوستانی سرمایہ بھی وہاں منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ (22)

یورپ کو بنانے میں ایشیا کا کتنا حصہ ہے۔ اس موضوع پر ڈونالڈ ایف لاش کی کتاب "یورپ کو بنانے والا ایشیا" (Asia in the making of Europe) بڑی اہم ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ مغرب کے عروج کا قصہ بتاتے ہوئے مشرق کے کلچر اور اس کی اہمیت کو چھپا دیا جاتا ہے۔ لیکن مشرق کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ پس ماندہ تھا انتہائی غلط خیال ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب مغرب سے سیاح اور تاجر مشرق جا رہے تھے' مشرق سے کوئی مغرب نہیں آ رہا تھا کیونکہ اسے مغرب کی ضرورت نہیں تھی۔ جب کہ مغرب کو مشرق کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارویں صدی تک یورپ چین' ہندوستان اور جاپان سے بے انتہا متاثر نظر آتا ہے۔ مغربی سیاح چین میں اس قدر متاثر تھے کہ وہ اہل مغرب کو مشورہ دے رہے تھے کہ صنعت و دستکاری میں چینی ہنرمندوں سے سیکھنا چاہئے۔ والٹیر تک یورپی حکمرانوں کو مشورہ دے رہا تھا کہ وہ چینی بادشاہوں کی پیروی کرتے ہوئے ادب و فلسفہ کی سرپرستی کریں یہ رویہ انیسویں

صدی میں جا کر بدلا ہے اور مشرق کی پسماندگی کے بارے میں نظریات عام ہوئے ہیں۔

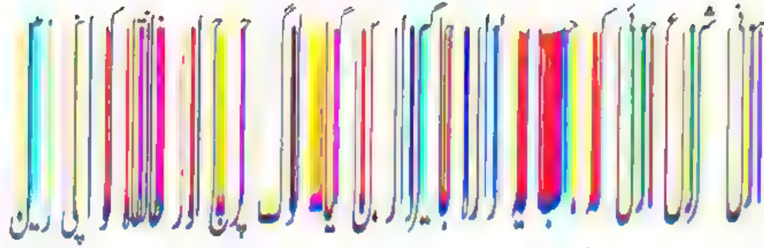
لاش اپنی دلیل میں اس کو اہمیت دیتا ہے کہ یورپ کے سرمایہ دار بننے میں امریکی دریافت سے زیادہ مشرق سے مسالوں کی تجارت ہے جس نے یورپ کو آگے بڑھنے کا جذبہ دیا۔ (23)

(5)

ستیش سبروال نے یورپ اور ہندوستان کا مقابلہ کرتے ہوئے اس سوال کو اٹھایا ہے کہ آخر ہندوستان کے مقابلہ میں یورپ نے کیوں ترقی کی؟ اپنے تجزیہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یورپ میں قرون وسطی سے اداروں کی تشکیل شروع ہوئی کہ جنہوں نے یورپ کی تاریخ کو ایک تسلسل دیا۔ ان اداروں کی تشکیل میں چرچ کا سب سے زیادہ اہم کردار رہا ہے کیونکہ اس نے دوسرے اداروں کو اپنا تجربہ دیا اور اپنے مفادات کے تحت بادشاہت اور قانون کے اداروں کی تعمیر میں حصہ لیا۔

جب یورپ میں چرچ کا ادارہ قائم ہوا تو اس میں درجہ وار عہدیدار تھے۔ پوپ' بشپ' پادری وغیرہ۔ چرچ کے ساتھ ساتھ خانقاہیں قائم ہوئیں تو ان میں مذہبی جماعتیں اور فرقے آئے۔ ان کے معاملات چلانے کے لئے وقف کی جاگیریں ہوتی تھیں۔ چرچ اور خانقاہ کے لوگ اپنا وقت مذہبی کتابوں کے مطالعہ' عبادات' اور دعائیں مانگنے میں صرف کرتے تھے۔ اس مذہبی لگاؤ نے ان کو اپنے ادارے سے جوڑ دیا۔ یہاں پر ان کے لئے کام کرنے کے اوقات تھے۔ ان کا لمحہ لمحہ کسی نہ کسی کام کے لئے بٹا ہوا تھا۔ یہ عہدیدار اپنے سے بڑے کی عزت اور اطاعت کرتے تھے۔ لہذا چرچ اور خانقاہ نے ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی کہ جس میں ڈسپلن' اطاعت اور مذہبی عقیدت تھی۔

اس کے بعد چرچ نے معاشرے میں اپنے اثر و رسوخ کو قائم کرنا شروع کیا۔ رومیوں میں تاریخ کا تعین بادشاہ کی تخت نشینی سے ہوتا تھا۔ چرچ نے اس کی جگہ اپنا کیلنڈر شروع کیا' جسے سب نے قبول کر لیا۔ چرچ کی معاشی حالت اس وقت سے مستحکم


آمدنی شروع ہوئی کہ جب یہ ادارہ جاگیردار بن گیا۔ لوگ چرچ اور خانقاہ کو اپنی زمین

دیتے تاکہ ان کے لئے دعا ہوتی رہے۔ 751ء سے 825ء تک 10% سے 30% کی زمین چرچ کے پاس آ گئی تھی۔ چرچ جاگیردار بننے کے بعد' چاہتا تھا کہ اس کی جائداد محفوظ رہے۔ اس لئے اس نے حکمرانوں سے تعاون حاصل کرنا شروع کیا کیونکہ ایک مضبوط اور طاقت ور بادشاہ ان کی ضرورت تھی۔ اس کے عوض بادشاہ ان سے مالی امداد بھی لیتے تھے۔ اور ان سے مذہبی حمایت بھی حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا چرچ نے بادشاہت کو ایک مقدس ادارہ کی شکل دے دی۔ اس کا فائدہ بادشاہوں کو ہوا کیونکہ انہیں اپنے مخالفین یا تخت کے دعویداروں کی جانب سے قتل ہونے کا شبہ رہتا تھا۔ اسی صورت حال سے چرچ نے فائدہ اٹھایا اور بادشاہ کی حفاظت کا ذمہ مذہبی رسومات کے ذریعہ لیا۔ مثلاً اس کی تخت نشینی کی رسم چرچ میں ہوتی تھی جہاں اس کو مقدس تیل لگایا جاتا تھا۔ (anointing) اور یہ ضمانت دی جاتی تھی کہ وہ تمام حملوں سے محفوظ رہے گا۔ بادشاہ اس رسم کے ذریعہ ڈیوک اور دوسرے بڑے جاگیرداروں سے ممتاز ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ ایک بیوی رکھے گا تاکہ زیادہ اولادیں نہ ہوں اور تخت نشینی کے لئے جھگڑے نہ ہوں۔ آگے چل کر ان جھگڑوں کو روکنے کے لئے 817ء میں شارلمن کے لڑکے لوئی نے اپنے لڑکے کو جانشین بنایا اور یہ قانون تسلیم کرایا کہ صرف بڑا لڑکا ہی جانشین ہوا کرے گا۔ جانشینی کے قانون کی وجہ سے اب سلطنت تقسیم ہونے سے بچ گئی۔ آہستہ آہستہ یہ روایت بادشاہت سے جاگیرداروں میں بھی آ گئی۔ اس قانون نے جانشینی کو پرامن بنا دیا۔ (24)

چرچ اور بادشاہت کے اداروں کے استحکام دینے کے علاوہ چرچ کا جو اہم کردار ہے وہ یہ کہ خانقاہوں میں رومی امور کے مخطوطات محفوظ تھے۔ لہٰذا چرچ نے تعلیم پر اپنی اجارہ داری قائم کی۔ 1200ء میں بولونا' پیرس' نیپلز اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں چرچ کے پاس تھیں۔ انہوں نے یہاں یونانی کتابوں کے ترجمے جو عربی میں ہوئے تھے انہیں لاطینی زبان میں کرایا۔ تعلیم کے لئے انہوں نے کیتھڈرل اسکول کھولے۔ گیارھویں

صدی میں مذہبی تعلیم کے علاوہ سیکولر تعلیم کا بھی بندوبست کیا تاکہ بادشاہ اور امراء کی ضروریات و انتظامات کے لئے انہیں تعلیم یافتہ نوجوان مہیا کر سکیں۔ (25)

چرچ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے رسم و رواج کی جگہ "قانون" کے نفاذ میں مدد کی 1100ء میں بولونا میں قانون کے مطالعہ کے لئے یونیورسٹی قائم کی۔ تربیت یافتہ قانون دانوں نے رومی قوانین کی مدد سے کہ جس کے مخطوطے خانقاہوں میں تھے' قوانین کو ترتیب دیا۔ اگرچہ رومی قانون کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا' مثلاً جنوبی یورپ میں یہ قانون موجود تھا اور چرچ بھی اس کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال کرتا تھا۔ لہٰذا اس قانون کو دوبارہ سے نافذ کیا گیا۔ اطالوی تاجروں نے رومی تجارتی قوانین کو اپنے لئے مفید پایا اور اپنی شہری ریاستوں میں انہوں نے تبدیلی کے ساتھ انہیں اپنا لیا۔ بیورو کریسی کے کام میں بھی رومی قانون نے مدد کی۔ (26) یہ ایسے قوانین تھے کہ جنہیں شہری ریاستیں ضرورت اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی تھیں۔ لہٰذا قانون میں تبدیلی کی وجہ سے معاشرہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہا اور قوانین نے اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہیں کیں۔

چرچ نے عیسائی مذہبی علوم کے علاوہ دوسری قوموں اور مذہبی علوم کے حصول میں بھی حصہ لیا۔ 1143ء میں قرآن کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوا۔ یونانی مخطوطات جو عربی میں تھے وہ اور جو یونانی زبان میں ان کے پاس موجود تھے ان کو لاطینی زبان میں منتقل کر کے یونانی علوم جو کھو گئے تھے انہیں دوبارہ سے حاصل کیا۔ یہ ترجمے ثواب یا بادشاہوں کی خوشنودی کی وجہ سے نہیں ہوئے بلکہ اس میں تجسس اور تحقیق کا جذبہ تھا۔ اس جذبہ نے علم کو محفوظ کیا اور اس کی سرحدوں کو اور آگے بڑھایا۔ (27)

اس تجزیہ سے سٹیش سیروال کا کہنا ہے کہ چرچ نے یورپ میں اداروں کی تشکیل کی روایت ڈالی۔ انہوں نے بادشاہت' قانون' عدالت' اور تعلیم کو ایسی بنیادیں فراہم کیں کہ جن پر آگے چل کر جدید یورپ کی ابتداء ہوئی۔ کیونکہ چرچ جیسا ادارہ ہندوستان میں نہیں تھا اس لئے یہاں اداروں کی تشکیل نہیں ہو سکی۔ یہ ایک اہم فرق



(6)

ان مباحث میں جو بات واضح ہو کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ کہ یورپ کی ترقی اس کے اندرونی عناصر کی وجہ سے ہوئی اور اس کے عروج میں بیرونی عناصر کا دخل نہیں' غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یورپ کو امریکہ اور پھر نوآبادیات سے جو سرمایہ ملا اس کی مدد سے اس نے اپنے اقتصادی اور سیاسی اقتدار کو مستحکم کیا۔ مثلاً ہندوستان سے انگریزوں نے سترہویں اور اٹھارویں صدی میں جو سرمایہ انگلستان منتقل کیا ہے اس کی تفصیل نوروجی اور پام دت کی ابتدائی کتابوں میں مل جاتی ہے۔ یہ سرمایہ انگلستان کے صنعتی انقلاب میں کام آیا۔

صنعتی انقلاب اور نوآبادیاتی نظام نے یورپ میں نسل پرستی کو فروغ دیا۔ ان میں یہ رعونت پیدا ہوئی کہ وہ دوسری اقوام سے برتر اور افضل ہیں۔ اس لئے انہوں نے یورپ کو مرکز میں رکھ کر دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا اور اپنے مقابلہ میں دوسری اقوام غیر متحرک اور جامد نظر آئیں۔ لیکن اب اس نقطہ نظر کو ایشیائی اور خود کچھ یورپی مورخوں نے رد کر دیا ہے۔ اور اس کا موثر جواب دیا ہے کہ یورپ کی تاریخ اور اس کا کلچر کسی خاص اجزاء سے نہیں بنا تھا۔ اس کے جواب میں غیر یورپی مورخوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ یورپ کے کلچر میں کوئی ندرت نہیں ہے۔ یہ ظالم' جارح' اور تباہ کن ہے۔ روحانیت سے خالی ہے۔

یورپ نے ترقی کے نظریہ کو اپناتے ہوئے ہر اس چیز کو تباہ و برباد کر دیا کہ جو ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ امریکہ' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ میں مقامی باشندوں کا قتل عام' نوآبادیات میں جنگ و جدل اور دولت کا استحصال' اس کے مظہر ہیں۔ ترقی کرنے کے جذبہ نے ان کی اخلاقی قدروں کو بھی مٹا دیا۔ اب ہر چیز کو اس کی افادیت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جو ادارہ یا روایت ان کی افادیت پر پوری نہیں اترتی تھی اسے تہس

نہس کر دیا جاتا تھا۔ اس فلسفہ نے غلاموں کی تجارت' جہازوں کو لوٹنا' دولت اکٹھی کرنا' قتل و غارتگری میں ملوث ہونا' ان سب کو صحیح قرار دے دیا۔ یہی وہ ذہن ہے کہ جو آج بھی تصادم کی شکل میں جاری ہے۔ یعنی تہذیبوں کا تصادم' اس میں ہر اس تہذیب کو ختم کر دینا کہ جو مغربی تہذیب کے راستے میں ہے۔

مغربی تاریخ میں ان مباحث کے بعد' اس کے تاریخی عمل کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ کہ کن حالات' ادوار اور شکلوں سے گزر کر مغرب آج اس مرحلہ تک پہنچا ہے۔

حوالہ جات

1- Landes, D. S.: The Wealth and Poverty of Nations.
Little Brown and Company, London 1998, 13 - 4 :صفحہ

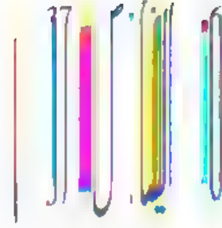
ٹوئن بی نے اپنی کتاب مطالعہ تاریخ میں "چیلنج اور جواب" کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس میں آب و ہوا اور ماحول کے بارے میں اس کی دلیل ہے کہ اگر فطرت کی سختیاں ہوں' یعنی بارش بہت ہوتی ہو' گھنے جنگل ہو' یا صحرا ہوں تو وہاں باشندوں کی ساری توانائی اپنی بقا کے لئے صرف ہو جاتی ہے اور وہ کوئی اعلیٰ تہذیب پیدا نہیں کر سکتے ہیں۔

2 ایضاً: ص- 19 مشرقی مطلق العنانیت پر وٹ فوگل کی کتاب ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ مشرقی ملکوں میں پانی کے ذخیروں پر حکمرانوں کا قبضہ رہا اس لئے وہ طاقت ور رہے اور رعیت ان کی ماتحت رہی۔ وٹ فوگل کے اس نظریہ پر سخت تنقید ہوئی ہے اور اس کے مقابلہ میں دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تھیوری تاریخی طور پر غلط ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : ڈاکٹر مبارک علی : تاریخ کیا کہتی ہے؟ لاہور 1996ء

3- ایضاً: ص- 19- 22-

4- ایضاً: ص- 36

5- ایضاً: ص- 35



7- ایضاً: ص- 37، 38، 39

8- ایضاً: ص- 93

9 ایضاً: ص- 126

10- ایضاً: ص- 120

11 Brauded. Fernand: A History of Civilization, Penguine Books 1995. 312 ص-

12- بروڈل: ص- 313-314

13- ایضاً: ص- 331-332

14- Blaut, J. M: 1492: The Debate on Colonialism اور Eurocentrism and History. Africa world Press 1992. 3-4 ص-

15- بلاٹ: ص- 7

16 ایضاً: ص- 10

17 ایضاً: ص- 12-13

18- ایضاً: ص- 14-15

19- ایضاً: ص- 27

20- ایضاً: ص- 37-38

21- ایضاً: ص- 40-41

22- Frank. A. G. : Re Orient : Global Economy in the Asian Age. University of California Press 1998,

تفصیل کے لئے دیکھئے اس کا چھٹا باب ص- 258 سے 260

23- Lash. I. D. : Asia in the Making of Europe. Vol. I, Book I. The University of Chicago Press 1994. XVII - XII ص-

24- Seberwal, Satish : Wages of Segmentation, Orient Longman Delhi 1995. ص- 48-59

25- ایضاً: ص- 65

26- ایضاً: ص- 80

27- ایضاً: ص- 101

دوسرا باب

عیسائیت اور یورپی معاشرہ

مغربی عیسائیت ماضی میں یورپی فکر کا اہم حصہ رہی ہے۔ آج بھی وہ اس کا ایک حصہ ہے۔ اس فکر میں عقلیت اور روشن خیالی کے افکار بھی شامل ہیں۔ اگرچہ انھوں نے عیسائیت پر زبردست حملے کئے ہیں۔ لیکن ان افکار کی جڑیں عیسائیت ہی میں ہیں۔ مغرب کی پوری تاریخ میں عیسائیت اس کی تہذیب کو آگے بڑھانے اور حوصلہ دینے میں برابر کی شریک رہی ہے۔ چاہے اس جدوجہد میں خود عیسائیت کی اصلاح کی گئی ہو یا اسے مسخ کیا گیا ہو' یا اس سے دور رہنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی کی مخالفت کی جائے' مگر ساتھ ہی اس کے دائرہ میں بھی رہا جائے اور اس سے باہر نہ نکلا جائے۔ ایک یورپی اگر وہ ملحد ہے' تو اس کے باوجود وہ اس اخلاقیات اور ذہن سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا کہ جو عیسائی روایات کے تحت تشکیل ہوئی ہیں۔

(بروڈل)

یورپ کی تاریخ کو یونان سے شروع کیا جاتا ہے کہ جنھوں نے شہری ریاستیں قائم کیں' ان ریاستوں میں جمہوری نظام کی داغ بیل ڈالی۔ علم و ادب' مصوری اور مجسمہ سازی میں معرکتہ الارا شاہکار تخلیق کئے۔ خصوصیت سے فلسفہ میں سقراط' افلاطون اور ارسطو جیسے لوگ پیدا کئے۔ ان کے تہذیبی ورثہ سے آج تک دنیا سحر زدہ ہے کہ

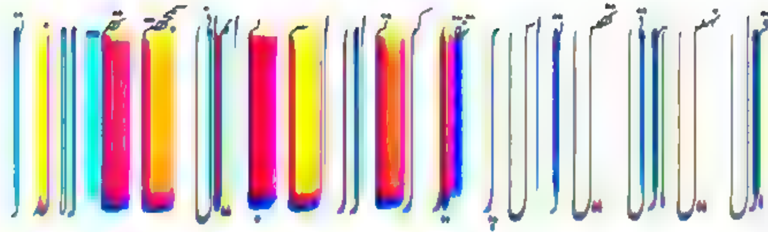
ایک چھوٹے سے علاقہ میں کس طرح اتنے سارے تخلیقی ذہن پیدا ہوئے کہ جو آج تک دنیا کو متاثر کر رہے ہیں۔ یونانی تہذیب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مذہب بہت زیادہ ان کے دل و دماغ پر نہیں چھایا رہتا تھا۔ ان کے دیوی و دیوتا بھی انسانوں کی طرح رہتے تھے: شادی بیاہ کرتے تھے' آپس میں لڑائی جھگڑے کرتے تھے اور ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے تھے۔ اس لئے انسان ان سے بہت زیادہ خوف زدہ نہیں رہتا تھا۔ اگر وہ اس کی خواہشات پوری نہیں کرتے تھے تو وہ ان سے لڑائی جھگڑا کرتا تھا اور بعض اوقات انہیں برا بھلا بھی کہتا تھا۔

یونانی خود کو دوسروں سے مقابلہ میں زیادہ برتر اور افضل سمجھتے تھے۔ اپنے علاوہ دوسری قومیں "باربیرین" یا وحشی اور غیر متمدن تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ کہ جو یونانی زبان میں اظہار خیال نہ کر سکیں اور ہکلائیں وہ باربیرین (Barbarian) ہیں۔ اس فرق کے ساتھ ان کا اپنا معاشرہ بھی غیر مساوی تھا۔ سیاسی حقوق میں برابری ایک قیمتی چیز تھی۔ غلامی کا رواج تھا اور عورتوں کی حیثیت بھی گری ہوئی تھی۔

لیکن یونانیوں نے علم و ادب' فلسفہ' آرٹ' طب' قانون میں جو ورثہ چھوڑا' اس نے یورپ کی تہذیب کو تشکیل کیا۔

رومی امپائر اس یونانی ورثہ کی وارث ہوئی۔ اگرچہ رومیوں نے مشرق اور مغرب میں بڑی سلطنت قائم کی۔ اور مختلف اقوام سے ان کا واسطہ پڑا' مگر اس کے باوجود انہوں نے بھی دنیا کو رومیوں اور باربیرین میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان کے لئے یورپ کے گال' جرمن' اور گوتھ وحشی قبائل تھے۔ اگرچہ انہوں نے بھی شاعری اور فلسفہ میں ورجل اور سسرو جیسے لوگ پیدا کئے' مگر ان کا اصل کارنامہ ایک بڑی امپائر کی تشکیل تھا کہ جو فوجی قوت اور جبر کی بنیاد پر قائم تھی۔

مذہب کے معاملہ میں رومی بھی وسیع ذہن کے حامل تھے۔ دیوی و دیوتاؤں سے ان کے تعلقات تاجرانہ قسم کے تھے۔ جب وہ انہیں نذر نیاز دیتے' چڑھاوے چڑھاتے تو یہ امید کرتے تھے کہ وہ ان کی خواہشات بھی پوری کریں گے۔ اگر ان کی دعائیں



دیوتاؤں کے سامنے جھکتے تھے نہ ان سے وفاداری کا اعلان کرتے تھے اور نہ ہی ان میں دیوتاؤں کا ڈر اور خوف تھا۔ رومی مذہب میں اتنی لچک تھی کہ ہر آدمی اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا کرتا تھا۔ یہ روح کے لافانی ہونے کے قائل نہیں تھے اور نہ ہی ان کے لئے آخرت کوئی چیز تھی۔

ان کے ہاں کئی فلسفیانہ فرقے تھے کہ جو انسان کی برتری کو مانتے تھے۔ یہ موت سے نہیں ڈرتے تھے اور اس دنیا میں پرمسرت زندگی گزارنے کے قائل تھے۔ معاشرہ میں مذہب سے زیادہ فلسفہ کا احترام تھا' کیونکہ خیال یہ تھا کہ صرف فلسفہ کے ذریعہ ہی ذہن کو پختہ کیا جا سکتا ہے اور زندگی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ (1)

عیسائیت کی ابتداء رومی سلطنت کے زیر سایہ ہوئی۔ جیسا کہ اینگلز نے لکھا ہے کہ اسپارٹاکس کی بغاوت اور اس کو کچلے جانے کے بعد' رومی سلطنت کی طاقت و اقتدار اور عظمت کے خلاف اب کسی بغاوت یا مسلح جدوجہد کے امکانات ختم ہو گئے تھے۔ اس لئے عیسائیت نے اس کا مقابلہ "عدم تشدد" کے ذریعہ کیا اس نے سیزر اور خدا کے درمیان دو دنیاؤں کو تقسیم کر کے خود کو تصادم سے بچایا۔ اس کے ابتدائی پیروکار دیہاتوں کے رہنے والے کسان اور غریب لوگ تھے کہ جو شہر کے خلاف تھے کہ جہاں بادشاہ اور مندر کا تسلط تھا۔ اسی وجہ سے اس ابتدائی دور میں سیاسی طاقت کہ جس میں انتظامیہ کے عہدیدار اور مذہبی قوتیں تھیں' انہوں نے عیسائیت کی مخالفت کی (2) لیکن غریب' مظلوم' اور ستائے ہوئے لوگ جو عیسائیت کے دائرے میں آئے' انہیں مذہب نے تکالیف برداشت کرنے کا حوصلہ دیا۔ ان کی مشترک زندگی یا برادری نے انہیں اکیلے پن سے نکال کر ان میں ہم مذہب ہونے کے جذبات کو بڑھایا۔ عیسائیت کے پیروکاروں کی تعداد اس لئے بڑھی کہ حکمران طبقے جبرو تشدد کے ساتھ' ملکی ذرائع کو لوٹ رہے تھے۔ ان حالات میں استحصال شدہ کسانوں اور غریبوں کے لئے مذہب سے بڑھ کر اور کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔

عیسائیت نے اپنے دوسرے دور میں خود کو فلسطین کی سرزمین سے نکال کر مغربی دنیا میں داخل کیا۔ یہ دیہاتی فلسطین سے یونانی شہروں کی طرف منتقلی تھی۔ اس دور میں اس نے آرامی زبان سے یونانی زبان کو اختیار کر لیا۔ اب اس کے پیروکاروں میں شہری لوگ بھی شامل ہونا شروع ہو گئے۔ جو کہ دولت مند' ذہین اور تعلیم یافتہ تھے۔ اس وجہ سے عیسائیت نے تنگ نظری کے بجائے' وسعت خیالی کو اختیار کیا۔ سینٹ پال جو اس عہد کا مشہور مبلغ ہے' اس کا خیال تھا کہ عیسائیت میں مختلف خیالات رکھنے والوں کو آنے کی اجازت ہونی چاہئے' بلکہ اگر اس میں منحرفین بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ (3)

عیسائیت کا اگلا دور اس وقت شروع ہوا جب رومی شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب کو اختیار کر لیا جس کی وجہ سے امپائر اور چرچ دونوں مل گئے۔ قسطنطین نے عیسائیت کو سیاسی وجوہات کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ نہ کہ عقیدہ کی سچائی کی وجہ سے۔ قسطنطین نے سیاست اور مذہب کو ملا کر اپنی طاقت کو اور زیادہ مضبوط کر لیا۔ عیسائیت کو چرچ کے ادارے کے ذریعہ جب سیاسی سرپرستی اور اختیارات ملے تو اس میں بھی اندرونی طور پر تبدیلی آئی اور یہ عزائم پیدا ہوئے کہ طاقت کے ذریعہ پوری انسانیت کو عیسائی بنا کر ایک ہی مذہب کے تسلط کو قائم کیا جائے۔ چنانچہ قسطنطین نے چرچ کے ادارے کو منظم کیا اور اس کے عہدیداروں کو اعلیٰ و کم تر کے سلسلہ میں تقسیم کیا تاکہ جو غیر مساوی تقسیم معاشرہ میں ہے وہ مذہبی ادارے میں بھی ہو۔ اس نے چرچ کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے اسے نہ صرف جاگیریں دیں بلکہ دولت سے بھی نوازا' ٹیکسوں سے معافی دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امراء نے چرچ کے ادارے میں اپنی مراعات و جائداد کا تحفظ دیکھا تو وہ عیسائی ہو گئے' بلکہ ان میں اکثر تو چرچ کے اعلیٰ عہدیدار بن گئے۔ جس کی وجہ سے ابتدائی عیسائیت کی روایات ختم ہو گئیں اور اس پر اب طبقہ اعلیٰ کے شہریوں کا تسلط ہو گیا۔ (4) جب چرچ کے پاس دولت آئی تو اس کا رویہ دولت کے بارے میں بھی بدل گیا' اب فقر اور مفلسی کی جگہ دولت کی تعریفیں ہونے لگیں۔

پانچویں صدی میں عیسائیت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی: مشرقی اور مغربی ان دو علاقوں میں عیسائیت کے ڈھانچہ میں تبدیلی آئی۔ مشرق میں کہ جہاں قسطنطنیہ رومی امپائر کا مرکز ہو گیا تھا وہاں چرچ بادشاہ کے ماتحت رہا۔ لیکن مغرب میں جب روم سے بادشاہ قسطنطنیہ چلا آیا تو وہاں عیسائی بشپ جو کہ بعد میں پوپ بن گیا اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مغربی چرچ پوپ کی روحانی راہنمائی میں اس قدر طاقتور ہوا کہ یورپ کے حکمران اس کے ماتحت ہو گئے۔ یعنی چرچ کا اقتدار پورے یورپ میں تھا۔ اس کے بعد روحانی طاقت کے ساتھ ساتھ سیاسی طاقت بھی آ گئی تھی۔ اس لئے ہوبس نے سترہویں صدی میں اس کے بارے میں کہا تھا کہ: پوپ کا عہدہ مردہ رومی امپائر کا سایہ ہے کہ جس کی تاجپوشی اس کی قبر پر ہوئی ہے۔ (5)

جیسا کہ جوسف فونٹانا نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب عیسائیت کو سیاسی و روحانی طاقت مل گئی تو:

> چرچ کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ اپنے عقیدہ اور اس کی ابتداء کے بارے میں نئی تشریح و تفسیر کرے۔ اس کے نتیجہ میں معاشرے کی بوقلمونی کو ختم کر دیا گیا۔ عیسائیت سے علیحدہ ہر رویہ کو یا تو دبا دیا گیا یا اس پر کڑی تنقید کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی چرچ نے اپنی تاریخ کو رومی تاریخ سے ملا دیا عیسیٰؑ اس وقت پیدا ہوئے تھے کہ جب آگسٹس رومی امپائر کی بنیاد رکھ رہا تھا "فتح مند راسخ العقیدگی کی اجارہ داری قائم ہو گئی اور اس نے اپنی تاریخ کو نئے سرے سے لکھا۔" اس نئی تاریخ نے ابتدائی عیسائیت کی روایات کو مٹا دیا اور نئی عیسائیت کی روایات کو ابھارا گیا۔ انحراف (Heresy) کو اب نئے معنی دیئے گئے۔ (6)

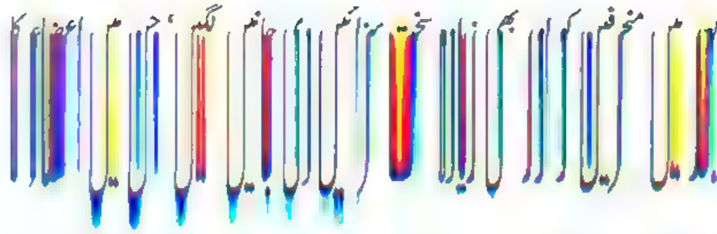
ہیرسے (Heresy) کا لفظ یونانی زبان سے آیا ہے۔ اب تک اس کا مطلب انتخاب کرنا یعنی فرد کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اس عقیدہ کا انتخاب کرے کہ جو اس کے

نزدیک بہتر ہے۔ اسی بنیاد پر جو مقدس کتاب کی تفسیر کرتا ہے وہ اس کا حق ہے۔ لیکن اب نئے معنوں میں انتخاب کا حق صرف چرچ کا ہو گیا۔ جو اس سے انحراف کرے گا وہ چرچ کا منحرف ہو گا اور سزا کا مستحق ہو گا۔ (7)

چرچ کا مشن یہ تھا کہ جہاں جہاں اس کے پاس سیاسی طاقت ہے' یعنی مغرب اور مشرق دونوں جگہ وہاں سے دوسرے مذاہب اور عقائد کا خاتمہ کر دیا جائے جبکہ خود عیسائیت میں فرقہ بندی کو نہیں ابھرنے دیا جائے۔ اب چرچ سے انحراف عیسائیت ہی نہیں بلکہ امپائر سے بھی تھا۔ لہٰذا 453ء میں ایک قانون کے تحت جو عیسائی نہیں تھے اور کافر یا پیگن (Pagan) تھے ان کی اور منحرفین کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اگر یہ لوگ خفیہ طور پر میٹنگیں کرتے ہوئے پائے گئے تو ان کو سخت سزا ملے گی۔ سزاؤں میں موت کی سزا تجویز ہوئی کہ جس میں انہیں مصلوب کیا جاتا تھا' زندہ جلا دیا جاتا تھا' یا جانوروں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا (8) یہ وہ سزائیں تھیں کہ جو رومی دور میں عیسائیوں کو دی جاتی تھیں۔ اب رومی امپائر کے وارث ہونے کی حیثیت سے یہی سزائیں غیر عیسائیوں کو دی جانیں لگیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی اقتدار اور طاقت کس طرح سے ذہن اور رویوں کو بدل دیتا ہے۔

چنانچہ سینٹ آگسٹائن نے فتویٰ دیا کہ منحرفین خدا کے دشمن ہیں۔ اس لئے خدا نے چرچ کو امپائر کے ذریعہ یہ طاقت دی ہے کہ وہ انہیں جبر اور تشدد سے واپس عقیدہ میں لائے۔ یہ جبر اور تشدد مذہب کے استحکام اور معاشرہ میں امن کے لئے ضروری ہے اور منحرفین کی نجات کے لئے بھی۔ (9)

سیاسی دباؤ کے ساتھ ساتھ منحرفین پر سماجی دباؤ بھی ڈالے گئے' یعنی ان کو چرچ میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ عیسائیوں کے لئے ان کی مجلسوں میں اور ان کی عبادت میں شریک ہونا منع تھا۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر کوئی حکومت کا ملازم یا عہدیدار ہوتا تو اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا تھا' جلاوطنی اور جائداد کی ضبطی کا بھی قانون تھا۔ (10)


بعد میں منحرفین کو اور بھی زیادہ سخت سزائیں دی جانے لگیں' جس میں اعضاء کا
کاٹنا اور جسم کو داغنا تھا یہ سزائیں حکومت کے عہدیدار دیتے تھے کیونکہ چرچ خود کسی کا خون بہانا نہیں چاہتا تھا۔ (11)

غیر عیسائیوں کے ساتھ یہی رویہ مشرق میں بھی روا رکھا گیا جہاں ریاست کی مدد سے غیر عیسائیوں کو ختم کر دیا گیا۔ ان میں سب سے درد ناک واقعات وہ ہیں کہ جن میں دو پیگن فلسفیوں کو اذیت دے کر مارا گیا۔ ان میں سے ایک ہیپاشیا (Hypatia) ایک خاتون فلسفی تھی جو اپنے علم کی وجہ سے معاشرہ میں احترام سے دیکھی جاتی تھی۔ اس کو ایک بشپ کے اکسانے پر' عیسائیوں نے چرچ کے سامنے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ چرچ کے جبرو تشدد اور اس کے غنڈوں کی دھمکیوں سے تنگ آ کر اسکندریہ کا آخری پیگن فلسفی شہر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس تنگ نظری کے ماحول میں کچھ شہر چھوڑ کر دیہاتوں میں چلے گئے اور کچھ حران چلے گئے اور وہاں یہ گیارہویں صدی تک باقی رہے۔ انہوں نے فلسفہ اور دانش وری کی روایات کو اس جگہ باقی رکھا اور عربوں کے اقتدار میں آنے کے بعد یونانی علم ان تک پہنچایا۔ (12)

یہی مذہبی تشدد مغرب میں ہو رہا تھا فرانس میں (گال) تور کے بشپ نے مقامی لوگوں کی مخالفت کے باوجود وہاں مندروں کو جلایا' مقدس درختوں کو کٹوایا' بتوں کو توڑا' اور ان کے تہواروں کو بند کر دیا۔ پیگن معاشرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے کئی دیوی اور دیوتا ہوتے تھے۔ اس لئے مذہبی طور پر ان میں تنگ نظری نہیں تھی اور نہ ہی ان میں باقاعدہ سے کوئی مذہبی طبقہ تھا۔ بلکہ وہ تو یہاں تک تیار تھے کہ عیسیٰؑ کو اپنے دیوتاؤں میں شامل کر کے ان کے اعزاز میں ایک مندر بھی تعمیر کر دیں۔

لیکن عیسائیت کے سیاسی اقتدار میں آنے کے بعد' جیسا کہ فونٹانا لکھتا ہے:

> یہ پرانے نظام کے خاتمہ کا اعلان تھا جو کہ رواداری اور وسیع القلبی کا علم بردار تھا۔ اس کی جگہ اب ایک مذہب نے لے لی' جو کہ صرف عبادات تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کا دائرہ

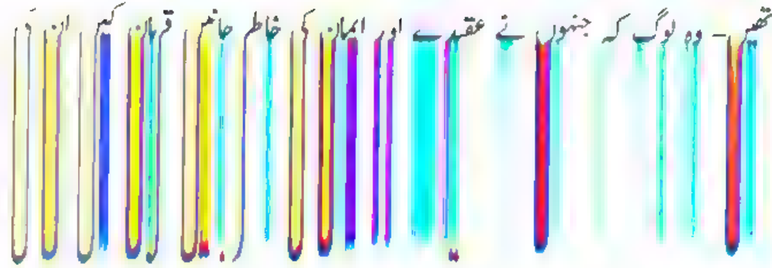
زندگی' رویوں اور عقائد تک پھیل گیا تھا۔ (13)

مغربی چرچ نے یونانی کو چھوڑ کر لاطینی زبان کو اختیار کر لیا۔ یونانی زبان کے ختم ہونے سے یونانی افکار و خیالات بھی روپوش ہو گئے۔ ہومر اور آکلیس کو بھلا دیا گیا۔ پرانا یونانی کلچر کچل دیا گیا۔ عقلیت اور آزاد خیالی کی جگہ تقدیر اور خدا پر ایمان نے لے لی۔ روح کی نجات کے لئے دنیاوی آسائشوں اور فائدوں کو قربان کر دیا گیا۔ لوگوں میں جنت کی خواہش پیدا کی گئی۔ گناہ گار اور وہ بچے بھی کہ جن کا بپتسمہ نہیں ہوا' انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلنے کی خبر دی گئی۔ (14) جو مقدس کتاب پر ایمان رکھے اس کی نجات' اور جو شک و شبہات میں مبتلا ہو اس کے لئے عذاب۔ اب عیسیٰؑ کی ایک نئی تصویر سامنے آئی۔ ان سے منسوب کر کے یہ کہا گیا کہ "انہیں مجبور کرو کہ وہ اس راستہ پر آئیں۔" اس پر عمل کرتے ہوئے سینٹ آگسٹائن نے جبر و تشدد کو اختیار کیا جو عقیدے کے پورے دور میں جاری رہا۔ (15)

عیسائی عقیدہ کو نافذ کرنے کے پس منظر میں یہ نظریہ تھا کہ سچائی ظاہر ہو چکی ہے اور وہ عیسائیت کی شکل میں سب کے سامنے ہے۔ اب جو اس سچائی سے منکر ہوتا ہے تو یا تو وہ جاہل اور بے خبر ہے اور یا پھر گناہ گار۔ اس لئے ان دونوں کو راہ و راست پر لانے کے لئے پہلے وعظ و نصیحت کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو دوسرا راستہ سختی و سزا کا ہے۔ راہ راست پر لانے کا مقصد صرف سزا دینا ہی نہیں بلکہ پوری عیسائی برادری اور اس کے عقیدے کی حفاظت کرنی ہے۔ اس لئے چرچ نے اپنے پاس ایک زبردست مذہبی اور سماجی ہتھیار کو رکھا وہ تھا عیسائی برادری سے اخراج کا (Excommunication) کہ جب کسی کو چرچ سے باہر نکال دیا جاتا تھا تو چرچ اس کے لئے کوئی مذہبی رسم ادا نہیں کرتا تھا اور نہ ایسے افراد کو چرچ کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا تھا۔ (16)

عیسائیت کی جڑوں کو مضبوط کرنے اور پیگن لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے' چرچ نے کئی علامات کو اختیار کیا۔ ان میں سب سے اہم علامت "شہداء کی یادگاریں"

تھیں۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے عقیدے اور ایمان کی خاطر جانیں قربان کیں ان کی



زیارت گاہیں جگہ جگہ بنائی گئیں تاکہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بنیں۔ اس کے بعد "معجزوں کے تذکرے" تھے کہ عیسائی اولیاء خدا کے کتنے قریب ہیں اور ان میں یہ روحانی طاقت ہے کہ وہ معجزے دکھاتے رہے ہیں۔ تیسرے مرحلہ میں اولیاء کے "تبرکات" تھے کہ جن کی زیارت سے برکت ملتی تھی اور جو لوگوں کی خواہشات کو پورا کرتے تھے۔ ان تینوں علامات نے پیگن لوگوں کے ذہن کو متاثر کیا کیونکہ یہ کسی نہ کسی طرح سے ان کے آبائی عقیدوں کے قریب تھے۔ چرچ کے اعلیٰ عہدیداروں نے چھوٹے سے چھوٹے چرچ کے لئے یہ لازمی کر دیا تھا کہ وہ تبرکات کو رکھے کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ چرچ میں آئیں گے۔

آگے چل کر تبرکات جمع کرنے کا جذبہ اس قدر بڑھا کہ حکمران اور امراء نے اس میں شریک ہونا شروع کر دیا جس کی وجہ سے جب مارکیٹ میں ان کی مانگ زیادہ بڑھی تو جعلی تبرکات کے ذریعہ کاروبار ہونے لگا۔ اولیاء کی لاشوں کو ان کے قبروں سے نکال کر ان کی ہڈیاں بطور تبرک فروخت کی جاتی تھیں۔ جرمنی میں سیکس نی کے حکمران فریڈرک کے پاس 17'443 تبرکات تھے۔ یہ جنون اس حد تک بڑھ گیا کہ سینٹ رونالڈس فرانس سے اس لئے بھاگ کھڑا ہوا کیونکہ اس کے مرید اسے قتل کر کے اس کے جسم کو بطور تبرک تقسیم کرنا چاہتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت جو اب تک شہروں میں تھی' اب اس کا اثر دیہاتوں میں بھی ہوا' اور وہاں بھی لوگ آہستہ آہستہ عیسائی ہو گئے۔ اس عمل نے قدیم دور کی روایات اور رسم و رواج اور تہواروں کو ختم کر دیا ایک ایسی کمیونٹی اور برادری سامنے آئی کہ جو ایک عقیدہ کی ماننے والی تھی۔

پوپ عیسائی چرچ کا روحانی سربراہ تھا۔ ایمان اور عقیدہ کی اعلیٰ اتھارٹی۔ حکمران اور عوام اس کی نگرانی میں تھے۔ گیارہویں صدی کے درمیان پوپ کے الیکشن کی روایت پڑی کہ جس میں کارڈینلز (Cardinals) اس کا انتخاب کرتے تھے۔ اس کے

بعد چرچ کے اہم عہدیداروں میں بشپ اور ایبٹ آتے تھے کہ جن کا تقرر پوپ کرتا تھا۔ (17)

مذہبی تہواروں کے تعین اور سیکولر انتظام کے لئے چرچ نے اپنا کیلنڈر روشناس کرایا تاکہ اس کے ذریعہ مذہبی' سماجی اور انتظامی معاملات میں یک جہتی ہو۔

چرچ نے شہروں کی پلاننگ اور اس کا نقشہ بھی بدل کر رکھ دیا۔ رومی دور میں شہروں میں عوام کی تفریح کے لئے عمارتیں ہوا کرتی تھیں' جن میں کھیلوں کے میدان' سرکس' حمام' فوارے' تالاب' پورٹیکو اور فورم قابل ذکر تھے اب ان کی جگہ چرچ نے خانقاہیں' زیارت گاہیں' مقبرے' اور چرچ بنوا دیئے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ عوام کی تفریح اور ملنے جلنے کے لئے کوئی آزاد اور کھلی جگہ نہیں رہی' دوسرے شہر کا سیکولر ماحول مذہبی ماحول میں بدل گیا۔ جب لوگوں نے خود کو مقدس عمارتوں میں گھرا ہوا پایا تو ان میں ڈر' خوف اور احترام کے جذبات پیدا ہوئے۔ (18)

اب شہر کے مرکز میں سب سے اہم عمارت کیتھڈرل کی ہوتی تھی جو شہر کی زندگی میں مذہب کی اہمیت اور چرچ کی طاقت کی علامت تھی۔ 1050ء سے 1350ء تک ان تین صدیوں میں فرانس میں 80 کیتھڈرل تعمیر ہوئے۔ ان کے علاوہ 500 بڑے چرچ اور ہزاروں کی تعداد میں پیرش (Parish) چرچ بنے۔ اپنی مذہبی عقیدت کے اظہار کے لئے یورپ کے ہر شہر نے کوشش کی کہ اس کا کیتھڈرل اور اس کے چرچ دوسروں سے زیادہ خوبصورت اور فن تعمیر کا نمونہ ہوں۔

آہستہ آہستہ قرون وسطی کا معاشرہ عیسائیت کے اثر میں اس قدر جکڑ گیا کہ اس کی پوری زندگی پر چرچ حاوی ہو گیا۔ پیدائش کے بعد بپتسمہ' شادی' اور موت میں ہر عیسائی کے لئے چرچ کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہو گیا۔ چرچ کی گھنٹی سے سونے' جاگنے اور کھانے کے اوقات کا تعین ہوتا تھا۔ چرچ انہیں دن رات عیسائی ہونے کا احساس دلاتا رہتا تھا۔ چوکیدار بھی یہ آواز لگاتے تھے کہ: "سونے والے عیسائیو اٹھو اور مرے ہوؤں کے لئے دعا کرو کہ خدا ان کی مغفرت کرے۔"



تھا۔ شادی کی ضرورت محض اس لئے تھی تاکہ بچے پیدا ہوں' جنسی لذت گناہ قرار پائی۔ جنسی ضابطہ اخلاق نے عورت کا سماج میں رتبہ گھٹا دیا۔ عیسائی راہبوں اور پادریوں نے عورتوں کی زیب و زینت اور آرائش پر حملے شروع کر دیئے۔ عورت کا جسم اور اس کا لباس ان کے وعظوں کا اہم موضوع بن گیا۔ وہ غریب عورتیں جو غربت کی وجہ سے اپنا جسم نہیں ڈھانپ سکتی تھیں' اب وہ گناہ کو دعوت دینے والی ہو گئیں۔ وہ عورت جسے ماہواری آتی تھی' یا حاملہ ہوتی تھی' اس پر چرچ کی تقریبات میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی۔ اس طرح عیسائیت کے پھیلاؤ کے ساتھ عورت کا سماجی رتبہ گرتا چلا گیا۔ (19)

چرچ افراد کی نجی زندگی میں اس وقت داخل ہو گیا کہ جب یہ ضروری ٹھہرا کہ ہر عیسائی کم از کم سال میں ایک مرتبہ اپنے علاقہ کے پادری سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے گا۔ اس نے شہروں اور گاؤں میں پادری کی اہمیت کو بڑھا دیا۔ کسان اعترافات کے لئے اس کا رات بھر انتظار کرتے تھے۔ گناہوں کے اس اعتراف کے نتیجہ میں پادری افراد کے ان معاملات میں بھی دخل دینے لگا کہ جو بہت زیادہ نجی نوعیت کے تھے۔ (20)

راہب اور پادری وعظوں کے ذریعہ لوگوں میں مذہبی جذبہ' عقیدت' اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ جب وعظ ہوتا تو لوگ آخرت' گناہ اور عیسیٰؑ کی مظلومیت کا سن کر روتے تھے۔ خصوصیت سے وہ وعظ مقبول ہوتے تھے کہ جن میں امراء کی عیسائیوں پر تنقید ہوتی تھی اور عورتوں کے فیشن پر لعن طعن کی جاتی تھی۔ عورتوں کی تفریح اور ان کے مشاغل کے خلاف جارحانہ حملے ہوتے تھے۔ ان وعظوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ آخرت اور جہنم سے لوگوں کو جس قدر خوف زدہ کیا جائے اور ان کو اندر سے اس قدر کچل دیا جائے کہ وہ مذہب کے تسلط میں رہیں اور چرچ کے اطاعت گزار بنے رہیں۔

جہاں عیسائیت نے معاشرہ میں اس قدر تسلط قائم کر لیا تھا وہاں لوگوں میں مذہبی

توہمات بھی بڑھ رہے تھے۔ لوگ بیماری اور ہر مصیبت کے وقت پیروں سے دعائیں مانگتے تھے اور فالیں نکالتے تھے۔ قحط' خشک سالی اور وباؤں کے زمانہ میں مذہبی رسومات میں پناہ لیتے تھے۔

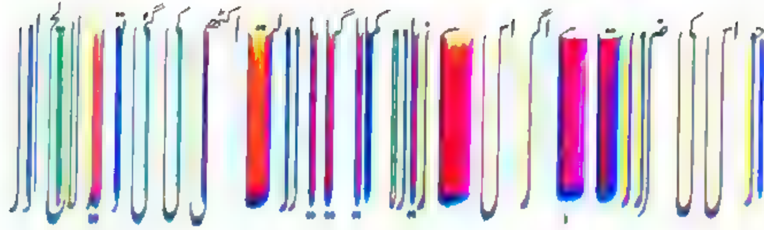
جب چرچ کو اس قدر دولت ملی' اقتدار میں حصہ ملا' اور معاشرے میں اس کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں رہا تو اس میں بدعنوانیاں آنا شروع ہوئیں۔ قرون وسطی میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ خانقاہیں چرچ اخلاقی بدعنوانیوں کے اڈے بن گئے تھے۔ پادری اغلام بازی میں ملوث تھے۔ ننوں اور پادریوں کے خفیہ جنسی تعلقات ہونے لگے تھے۔ وینس چرچ کی دستاویزات بیس جلدوں میں' ان مقدمات کی تفصیل ہے کہ جس میں پادریوں اور ننوں پر جنسی تعلقات پر مقدمے چلائے گئے تھے۔

چرچ کے عہدیداروں کے بارے میں سینٹ کیتھرائن آف سینا نے لکھا ہے کہ یہ لالچی' تنگ نظر ہیں۔ انہیں صرف اپنے پیٹ کی فکر ہے۔ وہ بے ہنگم طریقہ سے دعوتوں میں کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک کیتھولک مورخ کا کہنا ہے کہ:

> یہ کہنا غلط ہے کہ سب سے زیادہ بدعنوانیاں روم کے مذہبی راہنماؤں اور عہدے داروں میں ہیں۔ اس کے برعکس دستاویزات کی شہادتوں پر یہ ثابت ہے کہ اٹلی کے ہر شہر میں یہ بدعنوانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ دیکھا جائے تو اخلاقی برائیوں میں وینس روم سے بدتر ہے اس لئے اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ جب یہ کہا جائے کہ چرچ کا اثر کمزور ہو رہا ہے اور اس کے عہدے داروں کی کوئی عزت نہیں کرتا ہے۔ ان کی جنسی بداخلاقی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ یہ کہا جانے لگا ہے کہ ان کو شادی کی اجازت ہونی چاہئے۔ (21)

(1)

چرچ کے معاشیات کے بارے میں یہ خیالات تھے کہ فرد کو اس قدر کمانا چاہئے کہ



طمع ہے اور اس کا شمار گناہوں میں ہو گا۔ تجارت کرنا ٹھیک بھی ہے مگر خطرناک بھی' کیونکہ اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہونا چاہئے۔ تاجر کو چاہئے کہ صرف اتنا منافع کمائے کہ جس قدر وہ محنت کرتا ہے۔ نجی جائداد مقدس ہے۔ اگر اشیاء نجی ہوں تو لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے نہیں ہیں۔ لیکن اسے انسان کی کمزوری کے طور پر تسلیم کرنا چاہئے۔ یہ پندرہویں صدی کے ایک بشپ کی سفارشات تھیں۔ وہ بڑی جائدادوں کا رکھنا جائز قرار دیتا ہے مگر ان شرائط کے ساتھ کے صدقہ و خیرات اور مذہبی کاموں میں مدد کرتے رہنا چاہئے۔ (22)

بقول ٹانی (Tawny) کے قرون وسطی کا معاشرہ چرچ کے اثر میں دو راہے پر کھڑا تھا۔ ایک طرف معاشرہ کو ترقی کے لئے تجارتی سرگرمیوں کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف یہ ان کی روح اور آخرت میں نجات کے لئے رکاوٹ تھیں۔ منافع کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ اسے تنخواہ سمجھنا چاہئے۔ لیکن زیادہ منافع کی خواہش' دولت جمع کرنا نام و نمود کے لئے یا اولاد کے لئے' یہ چرچ کے لئے قابل مذمت تھا۔ (23)

پیسہ کے بارے میں چرچ نے ارسطو کی اس دلیل کو تسلیم کر لیا تھا کہ یہ جانوروں اور زمین کی طرح پیداواری نہیں ہے بلکہ ٹھہرا ہوا اور منجمد ہے۔ اس سے اور پیسہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں بغیر اضافہ کے آ جاتا ہے۔ لہٰذا ادھار پر منافع نہیں لینا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہمسایہ کو چاقو یا کوئی چیز استعمال کے لئے دے اور پھر اس سے معاوضہ طلب کرے۔ سودی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ عبادت میں شریک ہو۔ نہ ہی مرنے کے بعد اس کی عیسائی طریقہ سے تجہیز و تکفین ہوتی تھی۔ چرچ اس کی نذر نیاز اور تحفوں کو بھی قبول نہیں کرتا تھا۔ کونسلز آف چرچ کے قوانین میں تھا کہ سود خور کو عیسائی برادری سے خارج کر دیا جائے۔ اسے کوئی عیسائی اپنا مکان کرایہ پر نہ دے۔ پادری اس کے اعتراف کو نہ سنے۔ اس کی وصیت کو قبول نہ کیا جائے۔ ایک مذہبی راہنما کا کہنا تھا کہ "سود خور جہنم میں جائے گا۔"

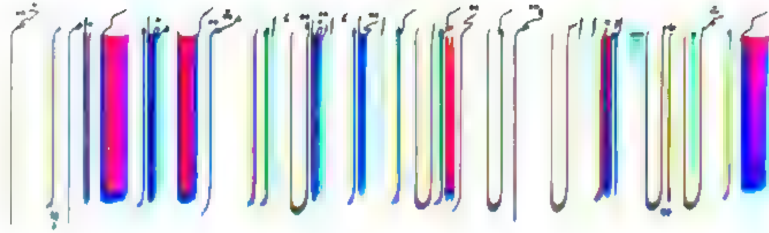
(24) سیکولرز اتھارٹیز چرچ کے قوانین کی وجہ سے ان بنکرز کو سزائیں دیتی تھیں جو سود پر روپیہ دیتے تھے۔ جب کاروبار کے لئے سود کی ضرورت پڑی تو اس مقصد کے لئے یہودیوں کو لایا گیا۔ (25) لیکن انہیں معاشرہ میں باعزت مقام دینے کے بجائے انہیں باقی آبادی سے علیحدہ "گیٹوز" میں رکھا گیا' اور سودی کاروبار کے علاوہ دوسری تجارت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ (26)

لیکن ایک طرف تو چرچ سود کی اس قدر مخالفت کرتا تھا' مگر دوسری طرف ضرورت کے تحت اس نے سود کو کسی نہ کسی شکل میں قبول کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ مثلاً پوپ کو دوسرے ممالک سے جو ہنڈیاں آتی تھیں' اس پر سود خور سود لیتے تھے اور پوپ ان کی حفاظت کرتا تھا۔ دانتے نے اپنی رزمیہ نظم میں انہیں جہنم میں دکھایا ہے مگر پوپ نے انہیں چرچ کے خاص فرزند کے خطابات دیئے۔ ایک بار لندن کے بشپ نے ان پر ٹیکس لگا دیا تو پوپ نے اسے واپس کر دیا۔ پندرہویں صدی میں پادری سود کا کاروبار کرتے نظر آتے ہیں۔ پیرس کے ایک سود خور نے اپنی روح کی نجات کے لئے چرچ سے مشورہ کیا تو بشپ آف پیرس نے کہا کہ وہ سود کی رقم نوٹر ڈیم چرچ کو دے دے۔ چرچ کی خوبصورت عمارتوں کو دیکھ کر سینٹ برنارڈ نے کہا تھا کہ :

> "اس نے سونے سے اپنی دیواروں کو ڈھک لیا ہے۔ لیکن
> اپنی روح کو برہنہ چھوڑ دیا ہے۔" (27)

(2)

جب کوئی عقیدہ اور نظریہ سیاسی اور مذہبی لحاظ سے اقتدار حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے برادری یا عقیدے کے ماننے والوں کے درمیان اتحاد و اتفاق انتہائی اہم ہو جاتا ہے۔ اس سے ذرا بھی انحراف کمیونٹی کے خلاف بغاوت اور جرم سمجھا جاتا ہے۔ منطقی طور پر اس کو تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اگر کوئی خلاف ورزی کرے' اور مستحکم روایات سے رشتہ توڑے' یا ان میں ترمیم کرے تو ایسا کرنے والی جماعت برادری اور کمیونٹی



کر دیا جائے۔

عیسائیت کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ان منحرفین سے سابقہ پڑا۔ تو چرچ نے حکمرانوں کی مدد سے ان فرقوں کے خلاف جہاد (Crusade) کیا اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ لیکن وہ افراد اور فرقے کے جو خاموشی سے بغیر اعلان کئے چرچ کے عقائد سے انحراف کئے ہوئے تھے' ان کی تلاش اور ان کی اصلاح و سزا کے لئے پہلے پہلے 1232 میں محکمہ انکویزیشن کا قیام عمل میں آیا تاکہ منحرفین جو کہ چرچ اور ریاست کے لئے خطرہ ہیں انہیں سزا دی جائے۔ وہ منحرفین کہ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف نہیں کیا ان پر چرچ کی عدالت اور مذہبی جیوری کے سامنے مقدمے چلائے گئے اور سخت سزائیں دی گئیں' جن میں اذیت دینا' جائداد ضبط کرنا' اور موت کی سزا شامل تھی۔

انکویزیشن کے محکمہ کو 1462 میں اسپین میں اس وقت قائم کیا گیا جب کہ یہاں مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ اسپین کی مسلمان ریاستیں ایک ایک کر کے عیسائی حکمرانوں کے ہاتھوں شکست کھا چکی تھیں یہاں تک کہ 1492 میں آخری سلطنت غرناطہ فریڈرک اور کیتھرائن کے ہاتھوں شکست کھا کر ختم ہو گئی اور اس کا آخری بادشاہ جلاوطن کر دیا گیا۔ لیکن اسپین میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں اور یہودیوں کی تھی جنہیں عیسائی معاشرہ قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اس لئے یا تو ان لوگوں کو جلاوطن کر دیا گیا' یا قتل کر دیا گیا' یا مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو جائیں۔ ان میں جو اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے انہوں نے عیسائیت کو جلاوطنی پر ترجیح دی۔ لیکن عیسائی ارباب اقتدار کو یہ شبہ تھا کہ یہ لوگ برائے نام عیسائی ہوئے ہیں مگر در پردہ وہ اپنے آبائی مذاہب پر قائم ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کے عقائد کی چھان بین اور ان پر نگرانی کے لئے انکویزیشن کا محکمہ قائم ہوا۔ جو لوگ عیسائی عقائد کے خلاف پائے گئے ان کو بطور سزا زندہ جلایا گیا' قتل کیا گیا' اور قید میں

رکھ کر اذیتیں دی گئیں۔ زندہ جلانے کے عمل کو "auto de fe" کہا گیا' یعنی عقیدہ کی چھان بین کا عمل اور اس کے نتیجہ میں سزا۔ یہ سزا عقیدہ کی سچائی کے لئے ہوتی تھی' اس لئے اسے ایک نیک کام سمجھا جاتا تھا۔ (28)

اسپین میں انکوئیزیشن کا کام اس وقت ختم ہو گیا کہ جب وہاں سے مسلمانوں اور یہودیوں کو یا تو جلا وطن کر دیا گیا یا انہیں قتل و سزاؤں سے ختم کر دیا گیا' اس کے بعد پورا معاشرہ عیسائی ہو کر رہ گیا۔ لیکن بعد میں جیسے جیسے چرچ کی مخالفت بڑھی' چرچ کو اپنے مفادات خطرے میں نظر آئے' اس لئے اس نے جگہ جگہ انکوئیزیشن کے محکمے قائم کرنا شروع کئے تاکہ وہ رینانساں دور کے ہیومنٹس' اور لوتھر و دوسرے اصلاح پسندوں کے پیروکاروں کے نظریات پر نظر رکھیں۔ سولہویں صدی میں یہ محکمے ریاست کی مدد سے اپنے مخالفوں کی آوازوں کو کچلنے میں مصروف تھے۔ اس سے بھی آگے انہوں نے اپنا دائرہ خود کیتھولک مذہب کے ماننے والوں تک وسیع کر دیا اور اپنی یہ ذمہ داری ٹھہرائی کہ معاشرے میں جنسی بے راہ روی کو روکا جائے اور لوگوں کے اخلاق کی نگہداشت کی جائے۔ جو لوگ کہ ان کی عدالت میں مجرم پائے جاتے تھے انہیں جلاوطنی' جہاز میں بطور ملاح کے کام کرنا' قید میں رکھنا' یا زندہ جلانا شامل تھا۔ اگر انہیں رہا کر دیا جاتا تھا تو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ایک خاص قسم کا لباس پہنیں۔ ان کے مرنے کے بعد اس لباس کی نمائش ہوتی تھی تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ اگر اسے زندہ جلایا جاتا تھا تو اس کا جلوس شہر میں نکالا جاتا تھا تاکہ لوگ اس منظر کو دیکھیں۔ 1530ء میں انکوئیزیشن نے اپنے دائرہ عمل میں دانشوروں کو بھی لے لیا۔ یونیورسٹی کی تعلیم' نصاب کی کتابیں' اور پروفیسروں کے خیالات کی نگرانی ہونے لگی۔ پیسا (Pisa) یونیورسٹی میں لکچر ہال کے برابر والے کمرے میں انکوزیشن کا عہدیدار موکھے میں بیٹھا ہوا' پروفیسر کا لکچر سنتا تھا تاکہ پروفیسر ایسے خیالات کا اظہار نہ کرے کہ جو چرچ کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ پرتگال کے طالب علموں کو تعلیم کے لئے دوسرے ملکوں میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کوپرنیکس' گلیلو اور نیوٹن کی کتابیں



چھاپہ خانہ کی ایجاد اور کتابوں کی اشاعت نے انکوئیزیشن کے کام کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ کیونکہ اب اظہار خیال زبانی ہونے کے علاوہ تحریر میں بھی آنے لگا۔ اس کو روکنے کی خاطر 1515ء میں پوپ نے ایک فرمان جاری کیا کہ کتابوں کی اشاعت سے پہلے چرچ کے عہدیدار کتابوں کے مواد کی چھان بین کریں گے اور بغیر اجازت کے کسی کو کوئی کتاب چھاپنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ جو کتابیں چرچ کی پہنچ سے اور خفیہ طور پر یا دوسرے شہروں میں چھپ جاتی تھیں کہ جہاں اس کا اثر نہیں تھا' تو ایسی کتابوں کا ایک "انڈیکس" چھپتا تھا۔ اس کا مقصد یہ بتایا جاتا تھا کہ ایمان والے عیسائیوں کو گمراہی اور غلط خیالات سے بچانے کے لئے یہ کیا جاتا ہے۔ اس انڈیکس میں وہ کتابیں ہوتی تھیں کہ جن پر مکمل طور پر پابندی عائد ہوتی تھی' کچھ کتابوں کے نصف حصوں کو ممنوع قرار دیا جاتا تھا اور کچھ کو بالکل شائع نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ (29) چرچ کے انسپکٹر آنے والے جہازوں کی تلاشی لیتے تھے کہ ان میں ممنوعہ کتابیں تو نہیں ہیں' کتابوں کی دوکانوں اور کتب خانوں پر چھاپے مارے جاتے تھے۔

1530ء کی دہائی میں انکوئیزیشن یورپ سے ہسپانوی امریکی نوآبادیات میں آ گیا' یہاں یہ یہودیوں اور مقامی باشندوں کے خلاف سرگرم عمل ہوا۔ 1561ء میں اس کا قیام گوا کے جزیرے میں ہوا کہ جو پرتگیزیوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ یہاں اس نے بدھ مت اور ہندو مذاہب کے لوگ جو عیسائی ہو گئے تھے' ان کے مذہبی عقائد کی نگرانی شروع کی۔ (30)

(3)

قرون وسطی میں عیسائیت کی تاریخ سے ہمارے سامنے کئی پہلو آتے ہیں۔ اس کی ابتداء جن حالات میں ہوئی ان میں عیسائیت مظلوموں' استحصال شدہ لوگوں' اور غریبوں کا مذہب تھا کہ جس نے ان لوگوں میں اپنے عقیدے کے ذریعہ یہ حوصلہ دیا کہ وہ

اپنے خلاف حالات کو برداشت کریں' صبر سے کام لیں' اور اپنے عقیدے پر قائم رہیں۔ اپنے اس جذبہ کے ساتھ انہوں نے رومی شہنشاہیت اور ریاست کے جبر کا مقابلہ کیا اور تبلیغ کے ذریعہ سے برابر اپنے پیروکاروں کی تعداد بڑھاتے رہے۔ ابتداء میں ان کی سرگرمیاں بھی خفیہ ہوتی تھیں' لیکن جب شہروں میں بااثر اور امراء نے ان میں شمولیت کی تو عیسائیت کی تحریک سامنے آ گئی۔ یہاں تک کہ یہ ایک ایسی قوت بن گئی کہ قسطنطین نے سیاسی طور پر ان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے' عیسائی مذہب کو اختیار کر لیا تاکہ اسے ان کی حمایت حاصل ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا تبدیلی مذہب محض ایک سیاسی حربہ تھا اور اس نے اپنے آبائی مذہب کی پیروی کو جاری رکھا۔

مگر جب عیسائیت کو ریاست کی حمایت حاصل ہو گئی تو اس نے خود کو باقاعدہ چرچ کے ادارے میں منظم کیا۔ سیاسی اقتدار اور طاقت کی حمایت نے عیسائیت اور چرچ کے کردار کو بدل کر رکھ دیا۔ اب یہ ایک منظم اور جارح عقیدہ ہو گیا کہ جو ریاست کا استحکام چاہتا تھا۔ ریاست کے استحکام کے لئے ضروری تھا کہ معاشرہ کا ایک مذہب ہو اور لوگوں کے سوچنے' غور کرنے اور روزمرہ کی زندگی میں یکسانیت ہو۔ اقتدار کے بعد اس نے ان تمام طریقوں اور حربوں کو اختیار کر لیا کہ جو رومی سلطنت نے اپنے مخالفین کے لئے استعمال کئے تھے۔

یورپ میں عیسائیت کا غلبہ آہستہ آہستہ ہوا' مگر ایک مرتبہ جب معاشرہ عیسائی ہو گیا تو چرچ نے ان کے عقائد کی سختی سے دیکھ بھال کی۔ شہروں سے لے کر گاؤں اور دیہاتوں میں چرچ اور اس کے عہدیدار پھیلے ہوئے تھے جو لوگوں کی سیاسی' سماجی' اور معاشی زندگی میں دخل دے کر' انہیں چرچ کے اثر میں رکھتے تھے اور جو بھی ان کے دائرہ سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا' اس کے لئے اس سے باہر کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی کہ جہاں منحرفین یا مخالفین عیسائی برادری سے کٹ کر رہ سکیں۔

اگلے صفحات میں یورپ کے اس معاشرے کا جائزہ لیا جائے گا کہ جو عیسائیت کے زیر اثر پروان چڑھا۔

حوالہ جات

1- مبارک علی: نجی زندگی کی تاریخ- لاہور، 1996، ص 37، 38-

2- Fontana, Joseph : The Distorted Past : An interpretation of Europe. Bkackwell Oxford 1995. -20 ص-

3 ایضاً: ص- 21

4 ایضاً: ص- 23، 24

5 ایضاً: ص- 24

6 ایضاً: ص- 25

7 Petez. Edward : Inquisition. University of California Press 1989. 6 ص-

8- ایضاً: ص- 29-30

9 ایضاً: ص- 30

10 ایضاً: ص- 31

.1 ایضاً: ص- 41، 44، 45

12 فونٹانا: ص- 28

13 ایضاً: ص- 29

14 Fisher, H. A. L. : A History of Europe from the Earliest times to 1713. London 1930. 105 ص

15 ایضاً: ص- 104، 105

16 پیٹر: ص- 44

17 Merriman John : A History of Modern Europe : From the Renaissance to the Present. London 1996. 6 ص- 431-432 ص- فشر: ص-

Markus, R.H. : The End of Ancient Christianity -18
Cambridge 1998. ص- 150

-19 مبارک علی : ص- 42

20 میری مین : ص- 17

Will Durant: The Age of Renaissance, New York 1985. -21
ص- 572، 573

Tawney H. : Religion and the Rise of Capitalism -22
A Mentor Book 1953. ص- 36

23 ثانی : ص- 38

24 ایضاً : ص- 18، 47

-25 ایضاً : ص- 40

-26 پیٹر : ص- 78

-27 ثانی : ص- 37

28 پیٹر : ص- 83، 85

29 ایضاً : ص- 96

30 ایضاً : ص- 98، 99

تیسرا باب



قرون وسطیٰ کا یورپ

تاریخ میں قرون وسطیٰ کے یورپ کا ایک رومانوی تصور ابھرا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ کہ جہاں سکون و اطمینان تھا۔ معاشرہ کا ہر طبقہ اپنے دائرہ کار میں خوش تھا۔ اخلاقی قدریں معاشرہ میں گہرے طور پر اپنی جڑیں پکڑے ہوئے تھیں۔ چرچ' بادشاہ' فیوڈل لارڈز اور عوام حسب مراتب اپنی اپنی جگہ' اپنے کردار کے مطابق' معاشرے کی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ جنگجو یا نائٹ طبقہ اپنی بہادری' شجاعت' قول کی پابندی' اور جذبہ عزت سے بھرپور تھا۔ جنگ شرافت کا پیشہ بن چکا تھا یہ کمزور لوگوں کا تحفظ کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت کے محافظ تھے۔

دوسری طرف قرون وسطیٰ کے یورپ کے بارے میں یہ نقطہ نظر ہے کہ یہ یورپ کا تاریک دور رہا ہے کہ جس میں فرد کو کوئی آزادی نہیں تھی' وہ برادری' چرچ' بادشاہ' اور فیوڈل لارڈ کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ پیدائش اور خاندان سے فرد کے سماجی مرتبہ کا تعین ہوتا تھا۔ قابلیت و صلاحیت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جنگ جوؤں کو عالموں اور اسکالرز پر ترجیح تھی۔ معاشرہ سماجی و مذہبی اور سیاسی پابندیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ تخلیقی عمل رک چکا تھا۔ ادارے اور روایات اپنی افادیت کھو کر فرسودہ اور کھوکھلی ہو چکی تھیں۔

لہٰذا ان دونوں نقطہ ہائے نظر کو ذہن میں رکھ کر قرون وسطیٰ کے یورپ کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔

(1)

رومی امپائر کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے بعد یورپ کا معاشرہ فیوڈل ہو گیا۔ جب اٹلی اور فرانس کے شہر جرمن قبیلوں کے حملوں سے غیر محفوظ ہوئے اور لوگوں کا جان و مال محفوظ نہیں رہا تو امراء اپنی حفاظت کے لئے شہروں کو چھوڑ کر دیہاتوں میں چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر اجڑ کر ویران و برباد ہو گئے۔ مستحکم اور مضبوط حکومت کے نہ ہونے سے شاہراہوں کی دیکھ بھال نہ ہو سکی' راستوں کے غیر محفوظ ہونے سے تجارت و آمدورفت بھی رک گئی' اس وجہ سے شہر اور دیہات ایک دوسرے سے کٹ گئے۔ ان حالات میں ہر گاؤں اور قصبہ کی یہ ضرورت ہو گئی کہ وہ خود کفیل ہو اور اپنی ضروریات خود پوری کرے۔ ان حالات میں فوجی سردار کہ جس کے پاس فوجی طاقت تھی اس نے کسانوں کو تحفظ دے کر اپنی سیاسی برتری کو ایک خاص علاقہ میں قائم کر لیا۔ اس نظام میں جہاں علاقہ کے کسان فوجی سردار کی راہنمائی میں محفوظ ہوئے' وہاں انہوں نے ایک طرف تو معاشی خود کفالت کو حاصل کر لیا' مگر دوسری طرف علاقہ کے انتظامات فیوڈل لارڈ کے سپرد کر دیئے۔ اب یہ اس کا کام تھا کہ وہ لوگوں کے جھگڑے چکائے' ان پر ٹیکس لگائے' اشیاء کی قیمتیں مقرر کرے' سڑکیں اور پل بنوائے اور اپنے لوگوں کا دشمنوں سے دفاع کرے۔ ان دو طرفہ تعلقات کی وجہ سے فیوڈل لارڈ اور لوگوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ اپنی حفاظت کے بدلہ میں وہ اسے ٹیکس بھی دیں گے اور اپنی پیداوار میں سے ایک حصہ بھی اسے دیں گے تاکہ وہ اپنے اور فوج کے اخراجات پورے کر سکے۔ (1)

جب یورپ میں کارولنجین (Carolingians) اور میرو ونجین سلطنتیں قائم ہوئیں تو ان کے حکمرانوں نے فیوڈل لارڈز کو اپنے ماتحت کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے خود اپنے جنرلوں اور فوجی افسروں کو جاگیریں دیں تاکہ علاقوں پر ان کا تسلط قائم ہو سکے۔ ابتداء میں جاگیریں موروثی نہیں ہوتی تھیں اور فیوڈل لارڈ کے مرنے کے

بعد اس پر اس کے خاندان کا حق ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن بعد میں 868ء میں چارلس دی بالڈ کے زمانہ میں وراثت کا اصول قائم ہو گیا جس کی وجہ سے ایک مضبوط فیوڈل طبقہ وجود میں آ گیا۔ موروثی اختیارات کے بعد اس طبقہ میں فخر و غرور اور طاقت کا احساس پیدا ہو گیا۔ وہ اس کا اظہار اپنی دولت اور طاقت سے کرتے تھے۔ محافظوں کا دستہ' اور قیمتی زیورات اور اسلحہ ان دو علامتوں کے ذریعہ وہ خود کو دوسروں سے ممتاز رکھتا تھا۔

اس وجہ سے سیاسی طور پر بادشاہ اور فیوڈل طبقہ میں تصادم اور کش مکش رہتی تھی۔ بادشاہ مسلسل اس جدوجہد میں رہتا تھا کہ اس کی برتری کو فیوڈل لارڈز تسلیم کریں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس مقصد کے لئے اس نے چرچ کی حمایت حاصل کی۔ لہٰذا تاجپوشی کے وقت چرچ رسومات کے ذریعہ اسے یہ اتھارٹی دیتا تھا کہ حکومت کرنے کا اختیار اسے خدا کی طرف سے ملا ہے۔ تیل لگانے کی رسم (anointment) کے بعد وہ جسمانی اور روحانی طور پر مقدس ہو جاتا تھا اور رعایا کی یہ ذمہ داری ٹھہرتی تھی کہ وہ اس کے احکامات کی تعمیل کریں۔

بادشاہ نے اپنی طاقت کو مزید مستحکم بنانے اور فوجی امراء میں اطاعت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے "دربار" میں ادب و آداب کے طریقے مقرر کئے۔ اس نے جنگ جوؤں اور ادب و آداب سے بے بہرہ لوگوں میں تہذیبی شعور کو پیدا کیا۔ دربار میں بادشاہ نے رسومات اور آداب کے ذریعہ ایسا ماحول پیدا کیا کہ جس کی وجہ سے درباریوں میں اور نئے آنے والوں میں اس کا خوف' ہیبت اور دہشت بیٹھ گئی۔ اس نے بادشاہ کو مطلق العنان اور طاقت ور بنانے میں مدد دی۔

پندرہویں صدی میں بادشاہ کی حیثیت اور زیادہ مضبوط ہوئی کیونکہ اس دوران معاشی ترقی اور تجارتی سرگرمیوں میں پھیلاؤ کی وجہ سے بارٹر سسٹم ختم ہو گیا اور ادائیگی سکوں میں ہونے لگی۔ اس نئے نظام سے وہ طبقہ متاثر ہوا کہ جس کی مستقل آمدنی تھی جیسے فیوڈلز' جو زمین سے مستقل ریونیو وصول کرتے تھے۔ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں تو ان کی مالی حالت خراب ہوتی چلی گئی' ان کی جگہ تاجر طبقہ کو اس نئے معاشی نظام

میں فائدہ ہوا۔ ٹیکسوں کے نظام میں قیمتوں کے بڑھنے سے بادشاہ کی آمدنی میں اضافہ ہوا' جس نے اس کی طاقت کو اور مضبوط کر دیا۔ جب بادشاہ کی مالی حالت مستحکم ہوئی تو اس نے اپنی فوج میں اضافہ کیا جس کی وجہ سے فیوڈل لارڈز پر سے اس کا انحصار کم ہوتا چلا گیا۔ بادشاہ کو اس وقت مزید اپنے فیوڈلز پر برتری مل گئی کہ جب بارود کی ایجاد ہوئی' اس نے گھڑسواروں کی اہمیت کو ختم کر دیا۔ (2) اور اس کے ساتھ ہی فیوڈلز کی اہمیت بھی کم ہو گئی کیونکہ ان کی طاقت ان کے گھڑسوار تھے' جن کی ضرورت بادشاہ کو جنگوں اور بغاوتوں کے ختم کرنے میں ہوتی رہتی تھی۔

ان حالات میں یورپ میں مطلق العنان بادشاہتیں وجود میں آئیں۔ عوام کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کہ وہ ان کی اطاعت کریں۔ جرمنی کی ریاست پروشیا کے ایک شخص کا کہنا تھا کہ:

> "کوئی بچہ اسکول میں اس پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا کہ اگر بادشاہ چاہے تو اپنی تمام رعایا کی ناکیں اور کان کاٹ ڈالے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو ہمیں اس کی رحمدلی کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے ہمارے اعضاء ہمارے لئے چھوڑ دیئے ہیں۔ (3)

شاہی خاندانوں کو اس پالیسی سے اور تقویت ہوئی کہ انہوں نے آپس میں شادی بیاہ کی رسم ڈالی۔ وراثت کے قانون کے تحت چونکہ بڑا لڑکا دعویٰ دار ہو سکتا تھا' اس لئے اس نے جانشینی کے مسئلہ کو زیادہ پیچیدہ نہیں بنایا۔ باہمی معاہدوں نے جنگ و جدل کو روکنے میں مدد دی۔

قرون وسطیٰ میں یورپ کا معاشرہ جن طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سب سے اہم شخصیت بادشاہ کی تھی جس کے پاس سیاسی اور فوجی قوت تھی اور چرچ کی حمایت نے اسے روحانی طور پر بااقتدار بنا دیا تھا لہٰذا اس سے وفاداری دنیاوی اور روحانی طور پر رعیت کے لئے لازمی تھی۔ اس سے بغاوت کی سزا قتل تھی۔

اس کے بعد فیوڈل لارڈز تھے کہ جو اپنی اپنی جاگیروں میں مکمل اختیارات کے مالک

تھے۔ ان کے نیچے و۔سل (Vassal) ہوتے تھے کہ جن کو فیوڈل لارڈ خدمات کے عوض زمین کا ایک حصہ معہ کسانوں یا مزارعوں کے دے دیتا تھا۔ مگر زمین کا مالک لارڈ ہی رہتا تھا۔

مذہبی عہدیدار یا چرچ کا ادارہ پوپ کے ماتحت تھا جو پورے یورپ کا روحانی راہنما اور سربراہ تھا۔ ہر ملک کے مذہبی عہدیدار پوپ کے ماتحت ہوتے تھے اور ان کا تقرر بھی پوپ ہی کرتا تھا۔ اگرچہ اس مسئلہ پر بادشاہ اور پوپ میں جھگڑے رہتے تھے۔ جہاں ایک طرف بادشاہ کو چرچ کی حمایت حاصل تھی وہاں وہ چرچ کی طاقت اور اثر کا مخالف بھی تھا کیونکہ یہ اس کے اختیارات کو چیلنج کئے رہتے تھے۔ مذہبی ٹیکس بادشاہ کے بجائے چرچ کو ملا کرتے تھے جس سے اس کی آمدنی پر اثر پڑتا تھا۔

معاشرہ میں سب سے نچلے درجہ پر کسان' مزارع یا سرف (Serf) تھے کہ جو فیوڈل لارڈ کی زمین یا جاگیر پر کاشت کرتے تھے۔ اس کے مالک کو یہ اختیار تھا کہ جب وہ چاہے انہیں زمین سے باہر نکال دے۔ بعض ملکوں میں مالکوں کو یہ حق بھی تھا کہ اپنے کسانوں کو فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ یا وہ وقتی طور پر معاوضہ لے کر اسے کسی دوسرے کے حوالہ کر دیتے تھے۔ روس میں جب زمین فروخت کی جاتی تھی تو اس کے ساتھ مزارعین کو بیچ دیا جاتا تھا اس طرح انہیں زمین کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ کسانوں کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ مالک کے بغیر زمین یا گاؤں چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔ (4)

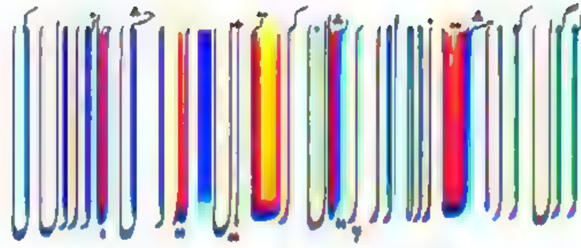
معاشرے کے اس طبقاتی نظام کا اثر یہ تھا کہ بادشاہ' چرچ' اور امراء کے پاس نہ صرف دولت و مالی ذرائع تھے بلکہ وہ مراعات و اختیارات کے بھی حامل تھے۔ اس نے معاشرہ کے سیاسی و سماجی اور معاشی ماحول پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ مثلاً سولہویں صدی میں اسپین کے امراء کے لئے سستی و کاہلی میں زندگی گزارنا ایک آرٹ بن گیا تھا۔ مثلاً ایک امیر کے بارے میں تھا کہ اس نے اپنی پوری زندگی میڈرڈ میں رہتے ہوئے بیکاری میں گزاری۔ اس کا وقت کھانے اور سونے میں گزرتا تھا۔ ایک ڈاکٹر نے

اپنے امیر مریضوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کھانے میں چھ ڈشوں سے زیادہ نہ کھائیں۔ ان کے مشاغل میں شکار کرنا' جوا کھیلنا' عورتوں سے جنسی تعلقات رکھنا' سازش کرنا' اور عبادت کرنا تھا۔ (5)

امراء میں جن کا تعلق نائٹ (Knight) طبقہ سے ہوتا تھا' ان کا کام شکار کھیلنا اور جنگ کرنا تھا۔ یہ اپنے ملکوں سے نکل کر دوسرے ملکوں میں بھی جاتے تھے۔ ان کے مختلف سلسلے تھے جو عزت و وقار کی نشانی بن گئے تھے۔ اکثر فیوڈل لارڈ کا بڑا لڑکا نائٹ بننا پسند کرتا تھا۔ نائٹ کی تربیت سات یا آٹھ سال کی عمر سے شروع ہو جاتی تھی۔ ان کا اپنا مخصوص لباس ہوتا تھا جس میں سفید چوغہ' سرخ جبہ اور کالا کوٹ شامل ہوا کرتے تھے۔ علاماتی طور پر یہ کردار کی صفائی' خدا کے لئے خون بہانا' اور موت کے لئے تیار رہنے کو ظاہر کرتے تھے۔ (6)

دولت کی اس غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے معاشرہ میں امیر و غریب کے درمیان بہت زیادہ فرق ہو گیا تھا۔ اس کا اظہار معاشرے میں فقیروں' گداگروں' چوروں' اور دھوکہ بازی کی شکل میں ہونے لگا تھا۔ چونکہ غریب لوگوں کا معاشرہ میں کوئی قانونی مرتبہ نہیں تھا' اس لئے ان کے کوئی حقوق بھی نہیں تھے۔ اعلیٰ طبقے ان کے ساتھ جانوروں جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ کم آمدنی کی وجہ سے ان کے لئے پورے طور پر پیٹ بھر کر کھانا بھی مشکل تھا۔ غذا میں یہ صرف روٹی کھاتے تھے۔ سولہویں صدی میں ان کی 85% آبادی گاؤں اور دیہاتوں میں تھی۔ مگر جب یہ غربت کے ہاتھوں مجبور ہوتے تو بھیک و خیرات کے لئے شہروں میں آ جاتے تھے۔ 1506ء میں پوپ سیکس ٹس (Sextus) نے شکایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ روم میں آوارہ گرد اور فقیر اس قدر بڑی مقدار میں ہیں کہ

> یہ اپنی آہ و بکا اور صداؤں سے نہ صرف مکانات اور محلات
> اور عوامی مقامات کو شور و غل سے پریشان کرتے ہیں۔ بلکہ اب
> چرچ بھی ان کے شوروغل سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ وہ مسلسل



طرح ادھر سے ادھر گھومتے پھرتے ہیں۔ ان کا ایک ہی مقصد ہے
اور وہ ہے کھانا حاصل کرنا۔ (7)

1590ء کی دہائی میں انگلستان میں امیر و غریب کا فرق بہت بڑھ چکا تھا۔ بھوکے اور فاقہ زدہ لوگ سڑکوں کے کنارے پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آتے تھے۔ کوئی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ کھیتوں میں سوتے تھے۔ کھانے کے لئے جنگلی بیر یا پودوں کی جڑیں تلاش کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر گندگی و غلاظت میں رہتے ہوئے بیماریوں سے جلد مر جاتے تھے۔ اگرچہ سولھویں صدی میں ہالینڈ نے تجارت میں ترقی کی تھی جس کی وجہ سے ان کا تاجر طبقہ خوش حال ہو گیا تھا۔ مگر شہر کے غریب اس طرح سے مفلسی کا شکار تھے۔ یہ اسٹاک ایکسچینج سے دور تنگ گلیوں میں رہتے تھے۔ کھانے کی وجہ سے اکثر فسادات کرتے تھے جن کی سزائیں بڑی سخت تھیں ان میں کوڑے مارنا' داغنا' اور پھانسی دینا شامل تھی جو شہر کے دروازے پر دی جاتی تھی۔ (8)

قرون وسطی میں جرائم کو روکنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ مجرموں کو سخت سزائیں دی جائیں۔ تاکہ فتنہ و فساد کو روکا جا سکے اور معاشرہ میں امن و امان کو قائم کیا جا سکے۔ لہٰذا چھوٹے چھوٹے جرموں پر ملزموں کو داغا جاتا تھا' سیدھا کان کاٹ لیا جاتا تھا' عورتوں کو مردوں سے زیادہ سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ موت کی سزا کی صورت میں پھانسی کے علاوہ' گلا گھونٹ کر مارنا' یا جسم کو کچل دیا جاتا تھا۔ لیکن ان سخت سزاؤں کے باوجود چوری نہ رکی' اور نہ ہی فقیروں اور گداگروں کی تعداد کم ہوئی۔ جیسا کہ اس عہد کے مورخوں نے لکھا ہے' چوروں اور دھوکہ بازوں کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک وہ تھے جو کھڑکیوں سے کپڑے کھینچ لیتے تھے' گھوڑوں کو چرانے والوں کا گروہ تھا' وہ لوگ بھی تھے کہ جو پاگل بن کر بھیک مانگتے یا چوری کرتے۔ 12 شلنگ سے زیادہ چوری پر موت کی سزا تھی۔

لیکن جب سزاؤں سے چوریاں نہ رکیں تو اس کے لئے دوسرا طریقہ استعمال کیا

گیا۔ چرچ کے عہدیداروں نے لوگوں کو نصیحتیں شروع کیں کہ جن میں اطاعت گزاری کا فلسفہ تھا۔ 1547ء میں پند و نصیحت کی ایک کتاب میں کہا گیا کہ خدا نے اس دنیا میں بادشاہوں' شہزادوں اور گورنروں کو لوگوں پر حکومت کرنے کے لئے مقرر کیا ہے تاکہ معاشرے میں امن و امان برقرار ہے' چرچ کے منبر سے یہ پند و نصائح پڑھے جاتے تھے۔ (9)

اس طبقاتی معاشرے میں نظریہ یہ تھا کہ ہر طبقہ اپنے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے اہم ہے۔ معاشرے کی یہ تقسیم اس لئے ضروری ہے تاکہ ہر طبقہ اور اس سے تعلق رکھنے والے اپنے اپنے کام کریں۔ محنت کی اس تقسیم سے معاشرہ میں توازن رہے گا۔ معاشرہ بھی انسانی جسم کی طرح ہے جس طرح اس میں ہر اعضاء کا اپنا اپنا کام ہے اسی طرح سے معاشرہ میں ہر طبقہ اپنی افادیت رکھتا ہے لہٰذا دفاع' عبادت' کاشت اور تجارت' مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ جس کو جو حق دیا گیا ہے وہ اسی پر مطمئن رہے اور زیادہ کا مطالبہ نہ کرے۔ طبقوں کے درمیان فرق کا ہونا لازمی ہے کیونکہ اس کے بغیر فرائض ادا نہیں ہو سکتے ہیں۔ لیکن طبقوں کے اندر مساوات ہونی چاہئے اور ہر طبقہ کا ممبر یکساں حقوق و فرائض رکھے گا۔ (10) فرض کر لیا گیا تھا کہ طبقاتی تقسیم اور ان کے فرق سے معاشرہ کا استحکام ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ اس وجہ سے وہ طبقے کے جو مراعات یافتہ تھے وہ ان کو اپنا پیدائشی اور موروثی حق سمجھتے تھے اور ان سے دست بردار ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

لیکن وہ طبقے کے جو مراعات سے محروم اور استحصال تھے ان میں احساس محرومی برابر بڑھ رہا تھا۔ لہٰذا حکمران طبقوں نے سزاؤں کے علاوہ دوسرا طریقہ یہ سوچا کہ ان کی تھوڑی بہت مالی امداد کی جائے تاکہ یہ چوری اور ڈاکہ زنی سے دور رہیں' جرائم میں ملوث نہ ہوں' اور ساتھ میں ان کے شکر گزار اور احسان مند بھی ہوں۔ اس مقصد کے لئے 1599ء اور 1601ء میں "غریبوں کے قوانین" پاس کئے گئے تاکہ ان کی مدد کی جائے۔ 1577ء میں یہ قانون پاس ہوا کہ بغیر لائسنس کے کوئی بھیک نہیں مانگ سکتا

ہے۔ مگر حالات اس قدر خراب تھے کہ ان قوانین کے باوجود نہ تو غربت ختم ہوئی اور



نہ ہی غریبوں کے فسادات۔ (11)

غریبوں کے رد عمل کا اظہار کئی صورتوں میں ہوا۔ مثلاً پندرہویں صدی میں بلقان میں تمام گاؤں والوں نے اپنا اتحاد قائم کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ اپنے زمیندار کو قتل کریں گے تو یہ سب مل کر کریں گے اور سب اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ دوسرے انہوں نے گاؤں میں کونسل قائم کی' تاکہ خود انحصاری پر عمل کر سکیں۔ یہ کوئی فیصلہ کرتی تھی کہ برادری کی زمین پر کونسی فصل بوئی جائے گی اور کب ہل چلایا جائے گا۔ اسی قسم کی کونسلوں کا قیام انگلستان کے دیہاتوں میں بھی عمل میں آیا۔ (12)

اس کے علاوہ کسانوں نے بغاوتیں بھی کیں۔ انفرادی طور پر محروم طبقہ کے لوگ ڈاکو بھی بنے۔ چونکہ ان ڈاکوؤں نے زمینداروں' جاگیرداروں' اور امراء کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کیں' اس لئے یہ عام لوگوں کے ہیرو بن گئے۔ خانہ بدوش طبقہ ان کی تعریف کے گیت گاتے پھرتے تھے۔ اسی پس منظر میں انگلستان میں رابن ہڈ ایک ہیرو کی شکل میں ابھرا کہ جو امیروں کو لوٹتا تھا اور غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ (13)

(2)

قرون وسطیٰ کے معاشرے کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ آبادی کی اکثریت گاؤں اور دیہات میں رہتی تھی۔ کسانوں کے بارے میں طبقہ اعلیٰ کے اچھے تاثرات نہیں تھے۔ انہیں جاہل' وحشی اور جانور سمجھا جاتا تھا۔ چرچ کے عہدے دار انہیں جہنمی سمجھتے تھے۔ یہ کبھی نہاتے نہیں تھے۔ اور بقول ایک مورخ کے صرف بارش کا پانی ان پر پڑتا تھا۔ ان کے طبقہ سے سوائے ڈاکوؤں کے کوئی ہیرو نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کسی کو ولی کا مرتبہ ملا۔ اگر انہیں کوئی خطاب ملتا تھا تو وہ باغی' مسخرے' بھانڈ اور کتے کا تھا۔

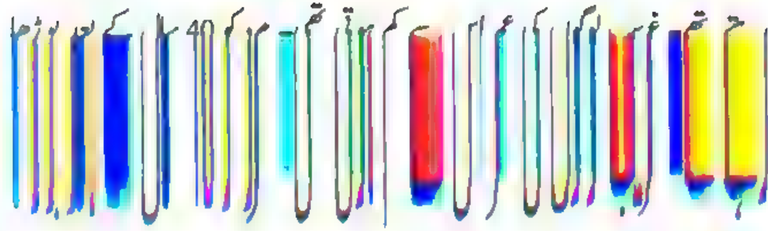
شہروں کی آبادی بہت کم تھی' گیارہویں صدی میں صرف 5% لوگ شہروں میں

رہتے تھے' بارہویں صدی میں لندن کی آبادی بارہ ہزار تھی۔ روم اسی دور میں گندا' ویران' اور کھنڈرات کا شہر بن چکا تھا۔ 1300ء میں میلان شہر میں 2 لاکھ لوگ رہتے تھے۔ جبکہ پیرس میں صرف 80 ہزار باشندے تھے۔

شہر گندے ہوتے تھے۔ جگہ جگہ غلاظت کے ڈھیر ہوتے تھے۔ دوکانیں تنگ گلیوں میں ہوتی تھیں۔ قصائی دوکان کے سامنے ہی جانور ذبح کر کے انہیں ٹانگ دیتا تھا۔ اس لئے شہر میں ہر طرف بدبو اور شوروغل رہا کرتا تھا۔

لوگوں کی اکثریت کی غذا دال ہوتی تھی۔ گیہوں کی روٹی ایک عیاشی تھی' اس کی جگہ رائی کی روٹی کھائی جاتی تھی۔ سبزی کا استعمال سوپ میں ہوتا تھا۔ گوشت صرف طبقہ اعلیٰ کو میسر تھا' لہٰذا اس کی وجہ سے عام لوگوں میں وٹامن اے کی کمی تھی۔ رات کو روشنی کا معقول انتظام نہیں ہوتا تھا' اس لئے گھروں سے باہر سخت تاریکی ہوتی تھی۔ گھروں میں روشنی کے لئے موم بتیاں یا تیل کے لمپ ہوتے تھے۔ چونکہ اس وقت تک چمنی کا رواج نہیں تھا اس لئے گھروں میں دھواں بھر جاتا تھا۔ سردی سے بچاؤ کے لئے بھاری لباس پہنتے تھے۔ لباس اون کا بنا ہوتا تھا جس کی وجہ سے جلد کی بیماریاں ہو جاتی تھیں' کپڑے دھونے کا رواج بہت کم تھا۔ سولہویں صدی میں نہانا فیشن میں نہیں تھا۔ خیال تھا کہ جسم کو برہنہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

مزاج کے اعتبار سے لوگ درشت اور اکھڑ ہوتے تھے۔ اس لئے ماحول میں تشدد پھیل گیا تھا۔ آنکھیں نکالنا' خون پینا اور آپس میں گتھم گتھا ہو کر لڑنا عام تھا۔ تفریح کے طور پر انسانوں اور جانوروں کی لڑائیاں منعقد ہوتی تھیں۔ لوگوں کی عمریں زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ بیماریاں' وبائیں' اور فسادات میں لوگ بڑی تعداد میں مرتے تھے۔ بچوں کی اموات کی شرح زیادہ ہوتی تھی۔ اکثر عورتیں زچگی کے وقت مر جاتی تھیں۔ بہت سے شہروں میں پیدائش سے زیادہ اموات ہوتی تھیں۔ غریب اپنے بچوں کو شاہراہوں پر چھوڑ دیتے تھے۔ امراء کے خاندانوں میں بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔ عام طور پر لوگوں کی عمریں زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ امراء 45 سے 56 سال تک زندہ



سمجھ لیا جاتا تھا' جب کہ عورت 30 سال کی عمر میں اپنی خوبصورتی اور صحت کھو دیتی تھی۔ 52 سال کی عمر میں کسی کا شادی کرنا تعجب کی بات تھی۔ (14)

لوگوں میں توہمات جڑ پکڑے ہوئے تھے۔ روحوں' جنوں' اور شیطان پر اعتقاد تھا۔ اکثر مقامات پر لوگ کنواری مریم کے مجسمے کے آگے روتے ہوئے اور آنکھیں کھولتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض پتھر خون سے سرخ ہو جاتے تھے۔ وہ فطرت کی تبدیلیوں سے معاشرہ میں ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھتے تھے۔ آسمان کا سرخ ہونا' تاروں کا ٹوٹنا' یا سورج و چاند گرہن' یہ سب ان کے نزدیک زندگیوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

عدالت میں شہادت کے لئے یہ یقین کیا جاتا تھا کہ قاتل کے سامنے مقتول کے زخموں سے خون بہنے لگے گا۔ علاج کے لئے ڈاکٹروں سے زیادہ جادو و ٹونے پر عمل کیا جاتا تھا۔ یہ اعتقاد تھا کہ روحوں کا زندہ لوگوں کی دنیا میں عمل دخل ہے۔ سائنس دانوں کو کیمیا سے اس لئے شوق تھا کہ اس کے ذریعہ وہ سونا بنانا چاہتے تھے۔ اکثر یہ دعویٰ بھی کیا جاتا تھا کہ انہوں نے "اکسیر" تیار کر لی ہے جو ہر بیماری کا موثر علاج ہے۔

قرون وسطیٰ میں وقت کا کوئی خاص تصور نہیں تھا۔ چودہویں صدی تک ریت' سورج اور پانی کی گھڑیاں ہوتی تھیں' جن سے وقت کا تعین ہوتا تھا' مشینی کلاک پندرہویں صدی میں جا کر آئے اور اس کے بعد گھنٹہ' منٹ' اور سیکنڈ میں وقت کو تقسیم کیا گیا۔

چودہویں صدی کی ایک اہم ایجاد عینک ہے۔ یہ 1352 کی مصوری میں بھی نظر آنے لگی تھی۔ 1364 میں اسے چرچ کے اعلیٰ عہدیداروں نے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ سولہویں صدی میں یہ علم و دانش کی علامت بن گئی یہاں تک کہ مصوروں نے پرانے مفکرین جیسے فیثاغورث' ورجل اور عیسائی اولیاء کی تصویروں میں انہیں عینکیں پہنا دیں۔ چونکہ ابتداء میں یہ مہنگی ہوتی تھیں اس لئے وصیتوں میں ان کا ذکر ہوتا تھا۔

عینک کی وجہ سے یہ ممکن ہو گیا کہ انسان نگاہ کی کمزوری کے باوجود' اس کی مدد سے اپنے پیشہ ورانہ فرائض ادا کرتا رہے۔ کیونکہ محنت کرنے کے لئے فرد کو ہاتھ چاہئے ہوتے تھے' آنکھیں اور ہتھیار نہیں۔ لیکن جب نگاہ کمزور ہو تو اس کا ماحول تاریک ہو جاتا تھا عینک نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اس کمزوری پر قابو پا لے۔ فلورینس اور وینس میں اس صنعت نے ترقی کی۔ اس ایجاد کے بعد ٹیلی سکوپ اور مائیکرو سکوپ کی ایجادیں ہوئیں۔ (15)

(3)

ایک زمانہ تک صلیبی جنگوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ یورپ کے معاشرے میں مذہبی جنونیت کے ابھار کے نتیجہ میں شروع ہوئیں۔ 1099ء سے 1291ء تک کے عرصہ میں یورپ میں جو تبدیلیاں آ رہی تھیں اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ صلیبی جنگیں محض مذہب کی شدت کا اظہار نہ تھیں بلکہ اس کے پس منظر میں اور کئی دوسری وجوہات تھیں۔ مثلاً جب جاگیرداری نظام میں وراثت کا حق بڑے لڑکے کو مل گیا تو یہ مسئلہ اٹھا کہ اس کے دوسرے لڑکوں کا کیا ہو گا؟ اپنی وراثت کی جاگیروں سے محروم ہونے کے بعد ان کے لئے ایک راستہ یہ تھا کہ وہ اپنی جائداد خود بنائیں۔ گیارہویں اور بارہویں صدیوں میں اس کے امکانات یورپ میں کم تھے' اس لئے یورپ سے باہر نکل کر جنگ کو اپنا کیریر بنا کر یہ نسل جائداد دولت اکٹھی کرنا چاہتی تھی۔

دوسرے اس دوران میں یورپ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ ہو گیا تھا' اس لئے اس کے حکمرانوں کو یہ مواقع مل گئے کہ وہ اپنی قوت و طاقت کو اکٹھی کر کے مشرق پر حملہ آور ہوں اور وہاں جنگوں کے ذریعہ نام و نمود کے ساتھ ساتھ شہرت بھی حاصل کریں۔ ان جنگوں میں مذہبی جوش و ولولہ پیدا کرنے میں پوپ اربن دوم (Pope Urban II) کا حصہ ہے کہ جس نے چرچ کو ان جنگوں میں ملوث کر کے اس کا

بڑے پیمانے پر پروپیگنڈا کیا کہ عیسائیوں کے مقدس مقامات کو مسلمانوں سے آزاد کرایا

جائے۔ لہٰذا ان صلیبی جنگوں کے پس منظر میں نئی زمینوں پر قبضہ کرنا' تجارتی راستوں پر قابض ہو کر مشرق سے تجارت کرنا' ساتھ ہی مشرق کی دولت کے جو قصے اور داستانیں تھیں' ان کے ذریعہ یہ جذبہ کہ اس دولت کو لوٹا جائے اور مہمات کے ذریعہ نئی سرزمین اور نئے لوگوں کو دیکھا جائے۔

اگرچہ صلیبی جنگوں میں فیوڈل لارڈز اور چرچ کا اتحاد ہوا کہ اسلام کو عیسائیوں کے مقدس مقامات سے خارج کر دیا جائے۔ مگر اس کا مقصد اس وقت صاف ظاہر ہوا کہ جب چوتھی صلیبی جنگ میں (1202-4) میں انہوں نے بازنطینی سلطنت کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کر کے وہاں زبردست لوٹ مار کی۔ اور اس دولت سے ان اطالوی تاجروں کو حصہ دیا کہ جنہوں نے ان جنگوں میں سرمایہ کاری کی تھی۔

صلیبی جنگوں کے یورپ کی تاریخ پر تو گہرے اثرات ہوئے۔ مگر جیسا کہ اب جدید تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس نے اس وقت کی اسلامی دنیا کو بہت زیادہ متاثر نہیں کیا۔ یہ مشرق وسطیٰ تک محدود رہے جب کہ اس سے باہر کی اسلامی دنیا ان کی موجودگی سے بے خبر رہی۔ اور پھر جب 1191ء میں صلاح الدین نے دوبارہ سے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو ان کی موجودگی بھی باقی نہیں رہی۔ لیکن ان جنگوں نے یورپ میں جو مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا ذہن بنایا اس کی جڑیں آج بھی باقی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اسلام کا امیج بگاڑا اور اس کو مسخ شکل میں پیش کیا بلکہ بازنطینی سلطنت اور آرتھوڈوکس عیسائیت کو بھی' عیسائیت سے نکال دیا کیونکہ یہ پوپ کی معصومیت کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے روس اور ایشیا میں بسنے والی عیسائی جماعتوں کو بھی بالکل بھلا دیا' عیسائیت کا تعلق صرف مغرب سے ہو کر رہ گیا۔ باقی دنیا ان سے علیحدہ اور غیر ہو گئی۔

ان جنگوں کے نتیجہ میں جہاں صلیبی جنگ جو اپنی کامیابیوں کے نتیجہ میں مال و دولت لوٹ کر لے گئے' اس کے علاوہ یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارتی راستے کھل

گئے' جن سے خاص طور سے اطالوی تاجروں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ تجارت کے ذریعہ یورپ میں مشرق کا بنا ہوا نفیس کپڑا گیا جو کہ روئی سے بنا ہوا تھا' اس نے انہیں اون کے بنے کھردرے اور بھاری لباس سے نجات دی۔ یہیں سے صلیبی کاغذ بنانے کی صنعت کو لے کر گئے' چینی کے برتن اور شیشہ بنانے کا فن بھی انہوں نے یہیں سے سیکھا۔ گرم مسالے' چاول اور شکر کے بارے میں یہیں انہیں واقفیت ہوئی۔ ہوائی پن چکیوں اور ان کے استعمال کو یہیں سے لے کر یورپ میں روشناس کرایا۔ اس کے علاوہ طب' سائنس اور فن حرب میں انہوں نے عربوں سے بہت کچھ سیکھا' یہاں آ کر انہوں نے قلعوں کی تعمیر اور محلات کو دیکھا تو اس کی نقل واپس جا کر یورپ میں کی۔

صلیبی جنگوں نے نظام جاگیرداری کو بھی بے حد متاثر کیا۔ امراء کے خاندانوں نے ان جنگوں میں نہ صرف مالی امداد دی تھی بلکہ ان کے متوسلین اور خاندان کے لوگوں نے ان میں شرکت بھی کی تھی۔ لہٰذا ان جنگوں میں انہوں نے جو مالی و جانی نقصانات اٹھائے اس کی وجہ سے وہ اقتصادی سیاسی اور سماجی طور پر کمزور ہوئے' جب کہ تجارت کی وجہ سے تاجروں کا طبقہ دولت مند اور بااثر بن کر ابھرا۔ بنک کاروں کا نیا طبقہ وجود میں آیا جو ان جنگوں میں سرمایہ کاری بھی کرتے تھے۔ پیسہ ادھار بھی دیتے تھے اور ہنڈی کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ اس وجہ سے معاشرہ کا توازن بگڑا' اور جاگیرداروں کے مقابلہ میں تاجر حکمرانوں کے پسندیدہ بن کر آئے' کیونکہ اب حکمران وقت پر انہیں قرض دیا کرتے تھے۔

لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے ان جنگوں میں اپنی کھوئی ہوئی زمینیں تو واپس لے لیں' مگر سمندر کو ہار گئے۔ کیونکہ جب یورپی تاجروں کے بری راستے غیر محفوظ ہو گئے اور ان پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا تو انہوں نے سمندروں کی راہ لی اور اپنے بحری بیڑوں کو مضبوط کر کے بحری راستوں کے ذریعہ تجارت شروع کی۔ جو یورپ کے عروج اور ترقی کی ابتداء تھی۔

(4)

قرون وسطیٰ کے یورپ کو بیماریوں کے ساتھ ساتھ قحط سالی اور وباؤں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زراعتی پیداوار اتنی نہیں تھی کہ جو آبادی کی کفالت کر سکے۔ زمین کو بار بار کاشت کرنے سے اس کی زرخیزی ختم ہو گئی تھی۔ ابھی تک پیداوار بڑھانے اور زمین کو دوبارہ سے استعمال کرنے اور قابل کاشت بنانے کے طریقے وجود میں نہیں آئے تھے۔ غذا کی کمی کی وجہ سے یورپ کے باشندے اس قابل نہیں تھے کہ وہ بیماریوں اور وباؤں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آسانی سے پلیگ کا شکار ہو جاتے تھے۔ 1347 کے پلیگ کی وجہ یہ تھی کہ جب منگولوں نے کریمیا میں کافا (Kaffa) کا محاصرہ کی اتو اس نے ان مردہ لوگوں کو کہ جو پلیگ میں مرے تھے منجنیق کے ذریعہ شہر میں پھینکوا دیا۔ اس کے نتیجہ میں جنوا شہر کے تاجر اور ان کے جہاز جو کریمیا سے چلے تو اپنے ساتھ پلیگ کے جراثیم بھی لے آئے؛ تین سال کے عرصہ میں اس کے جراثیم پورے یورپ میں پھیل گئے۔ وسط ایشیا میں تو یہ وبا تھی، مگر یورپ کے لوگ اب تک اس سے ناواقف تھے؛ اس لئے ان کے پاس اس کی کوئی دوا یا اس سے بچاؤ کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ پلیگ کا شکار زیادہ تر شہر تھے، جو دنوں میں ویران ہو گئے خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے۔ شہروں میں گھر کے گھر اجڑ کر خالی ہو گئے۔ شہروں سے باہر دیہات بھی اس سے متاثر ہوئے۔ آبادی خوف اور ڈر سے بھاگ کھڑی ہوئی جس کی وجہ سے کھیت بغیر کاشت کے پڑے رہے۔ بیماری نے کسی کے خاندان، یا اس کے مرتبہ کو نہیں دیکھا۔ امیر و غریب سب ہی موت کے ہاتھوں مارے گئے۔ گیووانی ولانی (Gio vanni Villani) جو وبا کے بارے میں اپنے تاثرات قلم بند کر رہا تھا وہ صرف یہ لکھ رہا تھا کہ "وبا کا خاتمہ ....." لیکن اس سے پہلے کہ وہ تاریخ اور سنہ لکھتا وہ خود اس کا شکار ہو گیا۔ (16)

اس وبا کو روکنے کے لئے کوئی دوا نہیں تھی۔ اس وقت فرانس میں مون پلیر (Montpellier) یونیورسٹی میڈ۔سن کے شعبہ میں پورے یورپ میں سب سے اعلیٰ تھے، اس وبا میں اس کے تمام ڈاکٹر مر گئے۔ دوائیں بیکار ہو گئیں تو لوگوں نے دعائیں

مانگنا شروع کیں، گناہوں سے توبہ کی، وبا کو دور کرنے کے لئے نذر نیاز دی۔ کیونکہ مذہبی نقطہ نظر سے اس آفت کی وجہ لوگوں کے گناہ تھے کہ جس کی سزا خدا کی طرف سے پلیگ کی شکل میں آئی۔ اس وبا کے نتیجہ میں جو اموات واقع ہوئیں اور جو خوف و دہشت لوگوں میں بیٹھی اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک ہم عصر مصنف لکھتا ہے کہ: "کیا آنے والی نسلیں اس پر یقین کریں گی کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ جب کہ ہم لوگ کہ جو اس تجربہ سے گزرے ہیں انہیں خود اس پر یقین نہیں آتا ہے۔" (17)

پلیگ کے بعد دوسری تباہی چودھویں صدی میں بلیک ڈیتھ (Black Death) کی شکل میں آئی جس نے یورپ کی تین فیصد آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان وباؤں کے نتیجہ میں معاشرہ کا استحکام ٹوٹ گیا اور اس صورت حال میں مختلف قسم کے ردعمل آئے۔ ایک ردعمل تو یہ تھا کہ روز قیامت قریب ہے۔ لہٰذا ایسے فرقے وجود میں آئے کہ جو دنیا کے خاتمہ پر یقین کرتے تھے۔ ایک مصنف نے لکھا کہ: "یہ وہ علامات اور معجزے ہیں کہ جو حضرت عیسیٰ نے اپنے پیروکاروں کو بتائے تھے کہ وہ اس دنیا کے خاتمہ پر دوبارہ ظہور کریں گے۔" (18) دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ بلیک ڈیتھ کے بعد امیر و غریب کے درمیان فرق بڑھ گیا۔ سماجی طور پر جو لوگ نچلے طبقوں سے اوپر کی جانب جا رہے تھے۔ وہ طبقے مواقع سے محروم ہو گئے۔ محروم طبقوں میں جو بے چینی اور عدم تحفظ کا احساس تھا اس نے ان میں تشدد کو پیدا کیا۔ فیوڈل لارڈز اور کسانوں کے درمیان تعلقات میں کشیدگی آ گئی۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے حکومتوں نے طاقت و جبر کا استعمال کیا۔ جس کا ردعمل کسانوں میں اور غریب عوام میں بغاوتوں کی شکل میں نکلا۔

انگلستان میں پلیگ کے بعد جب ریاست نے نئے ٹیکس لگائے تو 82-1381ء میں وائٹ ٹیلر (Wayt Tyler) کی مشہور بغاوت ہوئی کہ جس میں کسانوں، دست کاروں، اور نچلے درجہ کے مذہبی عہدیداروں نے حصہ لیا ان ہی باغیوں میں ایک شخص جان بال (John Ball) بھی تھا کہ جس نے کہا تھا کہ

"آدم کاشت کرتا تھا' حوا چرخہ کاتتی تھی تو اس وقت
جنٹلمین کون تھا؟"

ٹیلر کی بغاوت میں معاشرہ کی ناانصافیاں اور غریبوں پر ہونے والا ظلم نظر آتا ہے۔ اس بغاوت میں بار بار اس بات کا اعلان کیا گیا کہ وہ ایک ایسے معاشرہ کا قیام چاہتے ہیں کہ جس میں کوئی جائداد نہ ہو۔ لارڈ اور کسان کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ باغیوں کے ان اعلانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں جو طبقاتی معاشرہ فیوڈل لارڈ' بادشاہ' اور چرچ کی مدد سے بنایا گیا تھا اور جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ معاشرہ میں طبقاتی توازن ہی امن و امان برقرار رکھ سکتا ہے' اب وہ تمام نظریات ٹوٹ رہے تھے۔ تاریخی عمل سے لوگوں میں شعور آ رہا تھا کہ معاشرے کی یہ تقسیم فطری اور خدا کی جانب سے نہیں ہے' بلکہ اس کی بنیاد مراعات یافتہ لوگوں کے مفادات پر ہے' لہٰذا اس کو توڑنا اور ایک ایسے معاشرے کو قائم کرنا کہ جس میں سب کو مساوی حقوق ہوں' یہ ان کا حق ہے' لیکن ابھی ایک ایسے معاشرے کے قیام میں بڑی مشکلات حائل تھیں۔

وائٹ ٹیلر عوام کی مدد سے لندن آیا' اور بادشاہ کو درخواست دی کہ سرف ڈم کو ختم کیا جائے' اور فیوڈل لارڈز کو مجبور کیا جائے کہ وہ کسانوں سے بیگار نہ لیں۔ بادشاہ نے اس کے مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ مگر دوسری طرف لندن کے میر (Mayor) نے ٹیلر کو قتل کرا دیا جس پر اسے بادشاہ کی جانب سے خطاب ملا۔ ٹیلر کے قتل کے بعد اس بغاوت کو کچل دیا گیا۔ (19)

اس سے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ باغیوں کو اس وقت تک اس بات پر بھروسہ تھا کہ بادشاہ' رعایا کے محافظ ہونے کی حیثیت سے ان کے مطالبات مان لے گا۔ لیکن بادشاہ کے اپنے مفادات عوام سے زیادہ فیوڈلز سے تھے۔ اسی لئے ایک طرف تو ان مطالبات کو تسلیم کر لیا گیا مگر دوسری طرف سازش سے ٹیلر کو قتل کرا دیا گیا۔

انگلستان میں دوسری اہم بغاوت جان ویکلف (John Wychiff) کے

پیروکاروں کی تھی جو لولارڈ (Lollard) کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس تحریک کی بنیاد مذہبی عقائد پر تھی کہ بائبل مکمل ضابطہ حیات ہے۔ چرچ وقت کے ساتھ بدعنوان ہو چکا ہے اور بائبل کی تعلیمات سے دور ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس کی جائداد واپس لی جائے اور معاشرہ کی از سرنو تشکیل کی جائے۔ چونکہ اس تحریک نے چرچ اور اس کی اتھارٹی کو چیلنج کیا تھا اس لئے چرچ کی جانب سے اس کا سخت ردعمل آیا اور 1401ء میں اس نے یہ قانون پاس کیا کہ بغاوت اور چرچ کے عقیدے سے انحراف کے جرم میں انہیں زندہ جلا دیا جائے۔ (20)

وائٹ ٹیلر کی بغاوت نے بادشاہ کے کردار اور اس کی سازش کو بے نقاب کیا تو لولارڈ کی بغاوت نے چرچ کے مفادات کو ظاہر کیا۔ کہ بادشاہ اور چرچ دونوں مل کر عوام کا استحصال کر رہے ہیں۔ اور طبقاتی نظام کے استحکام میں اپنا استحکام چاہ رہے ہیں۔

ان بغاوتوں کو کچلنے کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہا' پندرہویں صدی میں جیک کیڈ (Jack Cade) کی بغاوت کہ جس میں کسانوں اور دست کاروں نے مل کر حصہ لیا۔ سیسکس میں جو بغاوت ہوئی اس میں مطالبہ کیا گیا کہ فیوڈل لارڈ اور چرچ دونوں کے اقتدار کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ یہ بغاوتیں محض پلیگ یا وباؤں کی وجہ سے ہی نہیں تھیں بلکہ ان کے پس منظر میں سیاسی و معاشی اور سماجی ناانصافیاں تھیں جو لوگوں کو تبدیلی کے لئے اکسا رہی تھیں۔ یہ بغاوتیں صرف انگلستان ہی میں نہیں ہوئیں بلکہ یورپ کے دوسرے ممالک بھی اس سے دوچار ہوئے۔ بوہیمیا میں 1410ء میں جان ہس (John Huss) نے چرچ کی بدعنوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی تو اس جرم میں اسے زندہ جلا دیا گیا۔ جرمنی میں کئی مرتبہ کسانوں نے بغاوتیں کیں' جنہیں سختی سے کچل دیا گیا۔ ان بغاوتوں میں باغیوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ طبقاتی معاشرہ کو تبدیل کیا جائے اور چرچ کی بدعنوانیوں کو دور کیا جائے۔ یہ دونوں ادارے ان کے لئے ظلم کا باعث تھے۔ جبکہ چرچ اور حکمران طبقوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ان بغاوتوں سے سماجی تنظیم ٹوٹنے کا خطرہ ہے اس لئے اسے روکنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک طبقاتی معاشرے کا سوال

ہے تو ان کے نزدیک یہ [illegible] کے قانون کے مطابق ہے کہ [illegible] میں امیر و غریب مالک و غلام' اور اعلیٰ و ادنیٰ طبقوں کا فرق موجود ہے۔

چونکہ طاقت و قوت حکمران کے پاس تھی اس لئے انہوں نے "طاقت اور قانون" کا سہارا لے کر انہیں معاشرہ اور مذہب کا باغی و منحرف قرار دیا اور باغیوں کو مثالی سزائیں دیں تاکہ آئندہ ایسی بغاوتوں کو مذہبی و سیاسی قوانین اور سزاؤں کے ذریعہ روکا جا سکے۔

یورپ کی تاریخ کو اس پس منظر میں دو طرح سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک تو یہ نقطہ نظر ہے کہ یورپ کی تاریخ کو ارتقائی عمل کی نظر سے دیکھا جائے کہ جو کچھ ہوا وہ وقت کے تقاضوں اور روایات کے سبب ہوا۔ اس نقطہ نظر سے چرچ اور حکمران طبقے مجرم نہیں ٹھہرتے ہیں کیونکہ ان کا عمل اس وقت کے ماحول اور قانون و روایات کے مطابق تھا اور جو لوگ ان کے بغاوت کر رہے تھے وہ اس لئے سزا کے مستحق تھے کیونکہ وہ معاشرہ کے استحکام اور امن و امان کو خراب کر رہے تھے۔

اس ارتقائی نقطہ نظر کے مقابلہ میں' دوسرا نظریہ یہ ہے کہ معاشرہ کی روایات اور قانون مقدس نہیں ہوتے ہیں یہ وقت ضرورت اور مفادات کے تحت تشکیل پاتے ہیں۔ اس لئے قرون وسطی میں جن لوگوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی انہوں نے معاشرے کے جمود کو توڑا' اور ٹھہرے ہوئے معاشرے کو آگے بڑھنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ اس کوشش میں ان لوگوں نے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ مگر ان کی قربانیوں نے معاشرہ کو ایک نئی سوچ اور شعور دیا۔

(5)

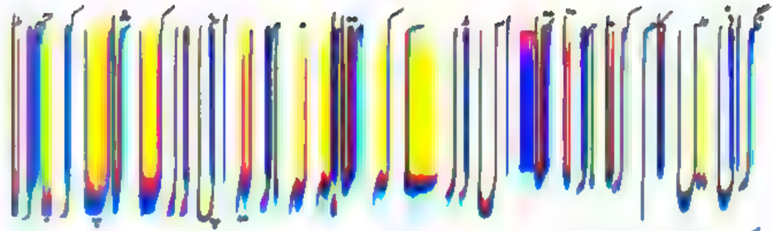
صلیبی جنگوں کے اور اثرات کے علاوہ ایک اثر یہ ہوا کہ ان کے نتیجہ میں تاجر اور بنکرز طبقے مالدار ہوئے اور معاشرے میں ان کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا۔ ورنہ اب تک تاجروں کو معاشرہ میں کوئی اہمیت نہیں تھی اور فیوڈل لارڈز کے مقابلہ میں انہیں

حقارت و تضحیک سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن معاشرہ کبھی ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہتا۔ گاؤں' اس کی برادری' اور ان کے رسم و رواج تبدیلی کے عمل سے دوچار تھے۔ بارہویں صدی سے شہروں کی اہمیت ابھرنے لگی تھی' ورنہ رومی زوال نے شہروں کو بھی زوال پذیر کر دیا تھا۔ تیرہویں صدی تک لاطینی عیسائیت شمالی اور وسطی یورپ کو عیسائی بنا چکی تھی اور اب آہستہ آہستہ شہر انتظامی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن رہے تھے۔ شہروں کی اہمیت کے لئے دو عناصر کا ہونا ضروری ہے: ایک تو اس پر جنگ جو اور منتظمین کا قبضہ ہو جو کسانوں کی محنت کو شہر میں لائیں اور اسے عمارتوں' اور اپنی آسائش اور آرام پر خرچ کریں۔ دوسرے تجارت ہو کہ جس کے ذریعہ حکومت کو ٹیکس ملیں اور اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ملکوں اور ان کے شہروں سے رابطہ ہو۔

شہروں کی ترقی' پھیلاؤ' اور ان کے عروج میں صنعت کاروں اور تاجروں کی گلڈ نے اہم حصہ لیا۔ اس قسم کی جماعتیں شہروں کی ترقی سے پہلے موجود تھیں کیونکہ بغیر کسی اتحاد اور برادری کے ان کا زندہ رہنا اور خود کی حفاظت کرنا ایک مشکل کام تھا۔ اس لئے مختلف پیشوں کے لوگوں نے اپنی گلڈ بنائیں تاکہ یہ اپنے پیشہ کی حفاظت کر سکیں۔ اور اگر ضرورت پڑے تو اپنے اراکین کی مصیبت کے وقت مدد کریں۔ گلڈ کے ہر رکن کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ اپنی انجمن یا جماعت کے ساتھ وفادار رہے گا۔ یہ جماعتیں ضرورت کے وقت اپنا دفاع خود کرتی تھیں' اگر اپنے مخالفوں سے جنگ کی نوبت آ جاتی تو اس کے لئے بھی تیار رہتی تھیں۔

یہودیوں کی گلڈ جدا ہوا کرتی تھی۔ اور یہ دوسروں سے علیحدہ شہر میں رہتے تھے جو "گیٹو" کہلاتے تھے۔ جب عیسائیوں سے بات چیت کرنی ہوتی تو ان کی گلڈ کسی ایک فرد کو اس کے کام کے لئے نامزد کرتی تھی۔ (21)

پیشہ ورانہ گلڈ میں اکثر ایک ہی خاندان یا برادری کے لوگ ہوتے تھے۔ مثلاً شیشہ سازی کا فن' جو اس کو جانتے تھے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ ان کے خاندان ہی میں رہے کیونکہ اس سے ان کی روزی کا سوال تھا۔ جو اس فن کو سیکھتے انہیں استاد کی



رکھتے تھے اور کم تعداد میں شاگردوں کو سکھاتے تھے۔

گلڈ کے اپنے اصول و قوانین ہوتے تھے جن پر سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا۔ مثلاً قیمتوں کا تعین کرنا' مال کی تیاری میں ایمانداری سے کام لینا' کوالٹی کے معیار کو برقرار رکھنا وغیرہ۔ جو پیشہ ور گلڈ کے ممبر نہیں ہوتے تھے ان کے مال کا بائیکاٹ کر دیا جاتا تھا۔

گلڈ کی حیثیت اپنی تسلیم اور اتحاد کی وجہ سے اس قدر اہم اور مضبوط ہو گئی تھی کہ اس نے بادشاہ سے یہ منظور کروا لیا کہ اپنے ٹیکسوں کے بارے میں وہ فیصلہ کریں گے' اپنے قوانین و ضوابط خود بنائیں گے۔ جاگیردارانہ خدمات اور بیگار سے آزاد ہوں گے۔ اپنے دیوانی مقدمات کا فیصلہ اپنی عدالتوں میں کریں گے' اپنے عہدیداروں کا خود انتخاب کریں گے۔ اگر دیہات سے آیا ہوا سرف (کسان) ایک سال شہر میں رہ جائے تو وہ آزاد ہو گا۔ یہ وہ چارٹر تھے کہ جو انہوں نے حکومت سے منظور کرا کے شہروں میں اپنے تسلط کو قائم کیا۔ ان چارٹروں کی منظوری انقلابی جدوجہد سے بھی ہوئی اور رشوت دے کر بھی۔ (22) لیکن جہاں حکمران اور جاگیردار طاقتور تھے' ان علاقوں میں شہر مشکل سے آباد ہوئے۔ اور انہیں مشکل سے آزادی ملی۔

چودہویں اور پندرہویں صدیوں میں شہروں میں دست کاروں' تاجروں' اور پیشہ وروں کی گلڈ سیاسی طاقت بن گئی تھیں۔ چونکہ ان کے تجارتی اور پیشہ ورانہ مفادات اس میں تھے کہ مقابلہ نہ ہو اور ان کی اجارہ داری قائم رہے۔ اس لئے انہوں نے نئی ایجادات کی مخالفت کی۔ ڈانزگ کے شہر میں ایک موجد کو کہ جس نے کپڑا بننے کے لئے لوم بنائی تھی مار ڈالا۔ جب اون کو رنگنے کا ایک نیا طریقہ بتایا گیا تو اس کی بھی ممانعت کر دی۔ جب کچھ تاجروں نے دیہات میں کاٹیج انڈسٹری میں اس طریقہ کار کو روشناس کرایا کہ جس میں کاریگروں کو اجرت اور سامان پیشگی دے دیا جاتا تھا اور پھر وہ تاجروں کے آرڈر پر مال تیار کرتے تھے تو اس کے خلاف گلڈ کا زبردست رد عمل ہوا اور اس

کے اراکین نے دیہاتوں میں جا کر توڑ پھوڑ اور جھگڑے کئے۔ (23)

دست کاروں اور پیشہ وروں کے مقابلہ میں شہر میں تاجروں اور بنکرز کا طبقہ طاقت ور بن کر ابھر رہا تھا۔ کیونکہ اب اس کی تجارت محدود نہیں رہی تھی بلکہ ایشیا کی منڈیاں بھی نئے راستوں کی دریافت کے بعد ان کے لئے کھل گئی تھیں بنکرز اب بادشاہوں کو قرض دیتے تھے۔ جنگوں میں اس کی مدد کرتے تھے۔ تجارت میں منافع کی وجہ سے اٹلی کے شہر وینس، جنیوا، اور فلورنس نے بڑی ترقی کی اور یہاں کے تاجروں نے شہروں کے انتظامات سنبھال لئے۔

تجارت کے پھیلاؤ نے کریڈٹ پر روپیہ دینا۔ ہنڈی کی مقبولیت، اور ساتھ ساتھ پیداوار کے انتظام، تقسیم کار، اور سرمایہ کے تحفظ میں اضافے کئے۔ تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے شہروں کی آبادی بڑھی، اور بعض شہر پھیل کر کاسمو پولٹن ہو گئے جہاں تاجروں اور حکمران طبقوں نے شاعروں، ادیبوں، مجسمہ سازوں، اور مصوروں کی سرپرستی کی، جس نے شہری کلچر کو پیدا کیا۔ یہ دیہات سے بھاگ کر آنے والوں کے لئے ایک پناہ گاہ بن گیا۔ شہر آ کر یہ لوگ ایک نئی زندگی کی ابتداء کرتے تھے۔ شہر کی ترقی اور فروغ میں اس کی آزادی کو بڑا دخل تھا۔ اسی وجہ سے ایک جرمن کہاوت تھی کہ ”شہر کی فضا آزاد کر دیتی ہے۔“ ایک تاجر نے فلپ دوم کو لکھا کہ ”شہر کی خوشحالی اس پر ہے کہ یہاں جو تجارت کرتا ہے اسے آزادی ہے۔“ (24)

سماجی اور معاشی تبدیلیاں شہروں کی تعمیر میں بھی نظر آنے لگیں تھیں۔ اب تک شہر کے مرکز میں سب سے بڑی عمارت چرچ یا کیتھڈرل کی ہوتی تھی۔ مگر اب تجارتی خاندانوں نے اپنے عالیشان آفس بنوانا شروع کر دیئے، بنکوں کی عمارتیں طرز تعمیر میں نیا اضافہ کرنے لگیں۔ اس کی وجہ سے شہر کو اب تک جو مذہبی ماحول ملا ہوا تھا۔ تجارتی سرگرمیوں نے اس ماحول کو بدل دیا اور لوگ مذہبی ماحول و اثرات سے نکل کر سیکولر ماحول کے عادی ہونے لگے۔



قرون وسطیٰ کے یورپ کے بارے میں ایک تاثر تو یہ ابھرتا ہے کہ اس میں چرچ اور مذہب کی اجارہ داری تھی۔ انکوئزیشن کے محکمہ نے علم و ادب اور خیالات و افکار پر جو پابندیاں لگائی تھیں اس کے بعد فکر کی آزادی کو ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ مذہبی تنگ نظری کا حال یہ تھا کہ اسپین' پرتگال اور سسلی سے مسلمانوں کو جلا وطن کر دیا۔ یہودی جو جگہ جگہ آباد تھے انہیں اچھوتوں کی طرح شہروں میں تنگ و تاریک محلوں میں آباد کر دیا۔ چرچ اور اس کے عہدیدار اس قدر طاقتور اور باأثر ہوئے کہ ان کے آگے حکمران اور انتظامیہ کے عہدیدار بے بس ہو گئے۔ مذہبی ٹیکسوں کی بہتات نے چرچ کو مالدار بنا دیا۔ زمینی جائداد کی وجہ سے چرچ یورپ میں سب سے زیادہ طاقتور فیوڈل ادارہ ہو گیا۔

مذہبی تسلط کے بعد یہاں پر فیوڈل لارڈز کی حکومت تھی جو دیہاتوں میں اپنا تسلط قائم کئے ہوئے تھے۔ کسان اور مزارع ان کے غلام تھے۔ عام لوگ مذہبی اور سیاسی بوجھ تلے دبے خود کو مجبور اور لاچار پاتے تھے۔ ان کی بغاوتوں نے بھی ان کی قسمت نہیں بدلی۔ سخت سزاؤں نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔

لیکن جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے۔ معاشرے ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نہیں رہتے ہیں' ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ یہ تبدیلی کبھی خاموشی سے آتی ہے اور کبھی شور کرتی پوری قوت و طاقت سے کہ جس کے آگے بندھے ہوئے تمام بند بہہ جاتے ہیں۔ ڈیوڈ لانڈیس نے قرون وسطیٰ کی انہیں تبدیلیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دسویں سے چودھویں صدیوں میں یورپ کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ اگرچہ پلیگ اور بلیک ڈیتھ نے آبادی کے تین فیصد حصہ کو مار ڈالا' مگر آبادی کے اس اضافہ نے معاشرہ اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ روزی اور غذا کے نئے طریقے اور ذرائع دریافت کریں' اس دباؤ کے نتیجہ میں 150 سالوں میں نئی ٹیکنالوجی آئی اور اس میں ترقی ہوئی۔ خاص طور سے زراعت میں کیونکہ بڑھتی ہوئی آبادی کو غذا کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس کی ترقی میں پہیوں والا ہل مفید ثابت ہوا جیسے کہ جرمنی کے لوگ لائے تھے۔ اب یہ یورپ میں مقبول ہوا۔ مزید زراعت کے لئے جنگلوں کو صاف کیا گیا' ہل چلانے کے

لئے طاقت ور بیل اور گھوڑے استعمال ہوئے۔ دست کاری اور صنعت میں گاؤں اور شہر کے لوگوں نے مل کر ترقی کی۔ کاٹیج انڈسٹری نے اس وجہ سے ترقی کی کہ تاجر دست کاروں کو خام مال دے دیتے تھے' اس کی وجہ سے انہیں سستی مزدوری مل جاتی تھی۔ اس سسٹم کی وجہ سے انگلستان میں اون کی صنعت نے ترقی۔ اگرچہ گلڈ نے اس کی مخالفت کی مگر یہ اس کو روک نہیں سکی۔

زراعت کی ترقی میں پانی سے چلنے والے پہیہ کا بھی اہم کردار ہے۔ اس کے بعد سے زراعت میں مشینوں کا استعمال ہونے لگا اور مغرب تہذیب "توانائی والی تہذیب" ہو گئی۔ تیرہویں صدی میں عربوں کے ہاں سے کاغذ کی صنعت آئی' اس کے ساتھ ہی شیشہ سازی کی ترقی کے نتیجہ میں عینک ایجاد ہوئی' اسی صدی میں مکینیکل گھنٹے روشناس ہوئے اور شہروں میں کلاک ٹاور بنائے جانے لگے جس نے لوگوں میں وقت کا ایک نیا شعور دیا اور جس نے ان میں نظم و ضبط اور ترتیب کا مادہ پیدا کیا۔ 1452ء میں گٹن برگ نے جرمنی میں چھاپہ خانہ لگایا اور متحرک ٹائپ پر پہلی بار بائبل چھاپی۔ پریس کی یہ ایجاد پچاس برس کے اندر اندر پورے یورپ میں پھیل گئی۔ چھاپہ خانہ نے بیوروکریسی' تاجر اور کاروبار کرنے والوں کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ کیونکہ لین دین' معاہدوں' اور فرامین میں کئی کاپیوں کی ضرورت ہوتی تھی جو اب تک ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ اب چھاپہ خانہ انہیں بڑی تعداد میں چھاپ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے انتظامی امور کو بہتر بنانے میں مدد دی۔ یہی صورت مسودات کی ہوئی' اب کتابوں کو ہاتھ سے لکھ کر چھاپہ جانے لگا جس کی وجہ سے عالموں اور دانشوروں کی پہنچ کتابوں تک ہو گئی۔ چھاپہ خانے اور کتابوں کی چھپائی کی وجہ سے کئی نئے پیشہ وجود میں آئے مثلاً ناشر' کتاب فروش اور لائبریرین۔ اسکالرز نے پرانی کتابوں کے متن تیار کئے اور انہیں شائع کر دیا۔ کتابوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ خواندگی کی شرح بڑھی۔ عام لوگوں سے زیادہ امراء میں اس کا اضافہ ہوا۔ (26)

لانڈیس کا خیال ہے کہ یورپ میں اس لئے ترقی ہوئی کیونکہ یہودی اور عیسائی



وہ فطرت کو اپنے تابع کرے' اسے تسخیر کرے' اور اس کے ذرائع کو اپنے مفادات اور فائدے کے لئے استعمال کرے۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں پیگن (Pagan) فطرت کو اپنا دشمن نہیں بلکہ اپنا دوست سمجھتے تھے وہ اس پر قابو پانا یا اسے فتح نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اس کے ساتھ مل کر رہنا چاہتے تھے۔ وہ درخت کاٹنا نہیں چاہتے تھے اور نہ جانوروں کو مارنا' درختوں کے پھلوں' اور جانوروں کے دودھ سے جو انہیں غذا ملتی تھی وہ اس پر بس کرتے تھے۔ اس لئے دونوں رجحانات میں فرق رہا: یہودی اور عیسائی جارحانہ رویہ کی وجہ سے فطرت کو تباہ و برباد کرتے رہے' اسے بگاڑتے رہے' اور انسان کی اجارہ داری کے نام پر اس کے نظام کو تبدیل کر کے اس کی جگہ اپنا نظام قائم کر دیا۔ اس نے ان میں خواہشات و تجسس کو بے پناہ حد تک بڑھایا۔ منافع' دولت و شہرت کی ہوس نے انہیں فطرت سے مقابلہ کے بعد خود دوسری قوموں کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگیں ہوئیں' نوآبادیاتی نظام کی ابتداء ہوئی' اور نسلی برتری کا جذبہ ابھرا۔ جو اقوام ان روایات سے علیحدہ رہیں' وہ امن پسندی اور عدم تشدد کی وجہ سے ان کا شکار ہو گئیں۔

یہودی اور عیسائی روایات میں ترقی کا جو تصور ہے وہ یہ کہ یہ سیدھی لائن میں ہو رہی ہے۔ وقت آگے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ جبکہ دوسرے معاشرے اور خاص طور سے پیگن تصورات میں وقت ایک سائیکل میں گردش کرتا ہے۔ لہٰذا ترقی کے لئے ضروری ہوا کہ راستہ کی ہر رکاوٹ کو ختم کیا جائے اور برابر آگے کی جانب بڑھا جائے۔ ترقی کا دباؤ اس قدر ہے کہ اس کے زور کے آگے وہ راستہ کی ہر رکاوٹ کو کچلتے ہوئے بڑھ رہے ہیں۔ (27)

قرون وسطیٰ کے معاشرے میں اندرونی تبدیلیوں اور بیرونی اثرات کی وجہ سے تضادات پیدا ہو رہے تھے۔ ابھرتے ہوئے معاشرے کے تقاضے تھے کہ اسے آزادی ملے' جب کہ چرچ اور سیاسی طاقتیں انہیں دبا کر اپنے تسلط تلے رکھنا چاہتی تھیں۔ نئے

حالات میں یہ بات واضح ہو کر آ رہی تھی کہ معاشرہ کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ چرچ ہے۔ اس کے عقائد نے لوگوں کی سوچ پر جو پابندیاں عائد کی ہے وہ نہ صرف فطرت اور ماحول کو سمجھنے میں رکاوٹ ہیں بلکہ ان کی وجہ سے نئے خیالات و افکار بھی نہیں پنپ پاتے ہیں۔ اس مرحلہ پر عالموں اور دانشوروں کے ذہن میں یہ سوالات تھے کہ معاشرہ کو ان فرسودہ' قدیم' اور مسخ روایات سے کیسے نجات دلائی جائے؟ وہ کون سا راستہ ہو گا کہ جو انہیں آزادی فکر دے گا؟ نئی روایات کی تشکیل میں کس طرف دیکھا جائے؟ اور کون سے ذرائع کو استعمال کیا جائے کہ جو نئی دنیا کو تخلیق کر سکیں گے؟ یہ وہ خیالات تھے کہ جنہوں نے یورپ میں ریناساں کا آغاز کیا۔

حوالہ جات

1- ول ڈیورانٹ: Age Of Faith: New York 1950. ص۔ 552

2- نوربرٹ: The History of Manners. New York 1978. ص۔ 270

3- جان میری من: 275

4- مزید تفصیل کے لئے' مبارک علی: جاگیرداری۔ لاہور 1996۔ ص۔ 29' 34

5- میری من: ص۔ 226

6- مبارک علی: ص۔ 34

7- میری من: ص۔ 10

8- ایضاً: ص۔ 267

9- ایضاً: ص۔ 215' 216

10- ثانی: ص۔ 38

11- میری من: ص۔ 216' 217

12- ایضاً: ص۔ 6

13- ایضاً: ص۔ 11

14- ایضاً: ص- 21

15- لانڈیس: ص- 47

16- فونٹانا: ص- 75

17- ایضاً: ص- 75، 76

18- ایضاً: ص- 76

19- ایضاً: ص- 80

20- ایضاً: ص- 81

21- مبارک علی: نجی زندگی کی تاریخ- لاہور 1996، ص- 43، 44

22- فشر: ص- 253

23- لانڈیس: ص- 243

24- ایضاً: ص- 62، 68

25- ایضاً: ص- 43، 44

26- ایضاً: ص- 52- میری من: ص- 38

27- لانڈیس: ص- 58، 59-

چوتھا باب

ریناساں

تاریخ کا یہ قانون اور اصول ہے کہ زندگی میں ٹھہراؤ نہیں آئے۔ تبدیلی اور انقلاب جمود کو توڑتے رہے ہیں۔ لہٰذا تبدیلی کا یہ عمل نئی اور پرانی روایات' قدروں اور اداروں کے درمیان ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوتا ہے کہ نیا نظام پرانے کو ختم کر کے ایک دم قائم ہو جائے یا نئی روایات پرانی کی جگہ لے کر انہیں یکسر مٹا دیں۔ نئے افکار و خیالات پیدا ہوتے ہیں' مگر پرانے ذہنوں کو بدلنے میں وقت لگتا ہے۔ اس لئے معاشرے میں قدیم و جدید روایات دونوں پہلو بہ پہلو چلتی رہتی ہیں اور ایک طویل عمل کے بعد وہ اس قابل ہوتی ہیں کہ پرانی روایات کی جگہ لے سکیں۔

اس وجہ سے یورپ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا کہ قدیم اور قرون وسطی کا یورپ ریناساں کے آتے ہی دم توڑ گیا یا مٹ گیا' یا شکست کھا گیا' یہ غلط ہے۔ قرون وسطی' اس کی روایات اور ادارے ریناساں اور ریفارمیشن دونوں کے دوران چلتے رہے اس وجہ سے یہ دعویٰ کرنا کہ ریناساں قرون وسطی کی قدامت پرستی کے خلاف زور دار تحریک تھی۔ یا ریفارمیشن مذہبی بدعنوانیوں کے خلاف آواز تھی' یا سائنس نے جادوگری اور سحر کو ختم کر دیا یہ غلط تاثر ہے۔ ان تحریکوں نے معاشرہ کو ایک دم اور اچانک ختم نہیں کیا' بلکہ اس میں ایک طویل مدت لگی کہ جس کے دوران قدیم روایات اپنی بقا کے لئے برابر لڑتی رہیں۔

ہمیں اس پر بھی غور کرنا ہو گا کہ نئی روایات کیوں پیدا ہوتی ہیں اور باغیانہ افکار و نظریات کیوں مقبول ہوتے ہیں؟ اس کی بنیاد روایات یا نظام کی افادیت اور کارکردگی پر

ہوتی ہے۔ ہر نظام اپنے خاص ماحول اور وقت کے مطابق قائم ہوتا ہے لیکن جب وقت کے ساتھ ضروریات اور تقاضے بدلتے ہیں تو یہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جس کے نتیجہ میں ایک نئے نظام کی ضرورت ہوتی ہے جو تبدیل ہوئے معاشرہ کے مطالبات کو پورا کرے۔ کوئی نظام اپنی جگہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ایک خاص مدت تک تو کامیاب رہتا ہے' مگر پھر اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ یا تو خود کو تبدیل کرے' یا نئی ابھرتی ہوئی قوتوں کے آگے ہتھیار ڈال دے۔

یورپ میں رینائسان کیوں آئی؟ اس کا اندازہ اس مطالعہ سے ہو جائے گا کہ جو ہم نے پچھلے صفحات میں دیا ہے۔ کہ قرون وسطیٰ میں یورپ کا معاشرہ چرچ' بادشاہ' فیوڈل لارڈز کے تسلط میں تھا۔ لیکن اب ایک نیا طبقہ ابھر رہا تھا کہ جس کی اس ڈھانچہ میں کوئی جگہ نہیں تھی یہ تھا بورژوا یا تاجروں کا طبقہ۔ تجارت نے ان کے پاس دولت بھی اکٹھی کر دی تھی۔ شہروں میں یہ بااثر و بارسوخ تھے۔ انہیں تجارتی ضروریات کے لئے اب ایک ایسے معاشرے کی ضرورت تھی کہ جس میں سیکولر تعلیم ہو تاکہ طالب علم تجارت کے فروغ کے لئے ان کی مدد کر سکیں۔ سائنس دان ہوں جو اپنی ایجادات سے ان کے کام کو اور آگے بڑھائیں۔ فلسفی اور مفکر ہوں جو مذہب کی روایت پسندی اور عقیدہ کی سختی کو توڑیں۔

چرچ اور مذہبی عقائد نے قرون وسطیٰ کے معاشرے کو اس قدر سختی سے جکڑ رکھا تھا کہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ اس کی تعلیمات کے خلاف کچھ کہنے کی جرات نہیں رکھتے تھے۔ سائنس دان اپنی تحقیق کی بنیاد تجربات پر نہیں بلکہ مفروضوں پر رکھتے تھے۔ کیونکہ اول تو انہیں تجربات کی سہولت نہیں تھی' دوئم ان کے تجربات مذہبی عقائد سے ٹکراتے تھے' اس لئے وہ مذہب سے منحرف ہونے پر گھبراتے تھے۔ اس وجہ سے وہ تحقیق کی بنیاد مفروضوں پر رکھتے تھے تاکہ مذہب کی سختی سے بچ جائیں۔ گیلیلو نے جب اپنی تحقیق کو دلیل کے طور پر ثابت کیا تو مصیبت میں پڑ گیا۔ (1)

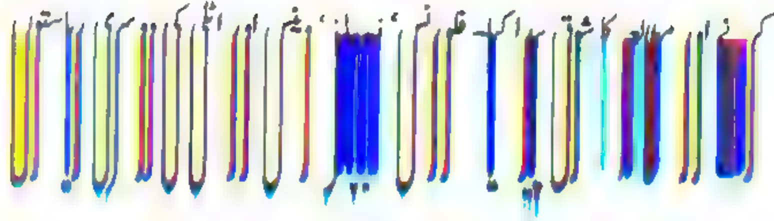
اس لئے وقت کی ضرورت تھی کہ مذہبی عقائد کے چنگل سے معاشرہ کو نکالا

جائے۔ اور فرد کو توہمات' مذہبی تنگ نظری سے آزاد کرا کے اسے سیاسی و سماجی طور پر ایک باعزت مقام دیا جائے۔ اس نئے نظام کو کن بنیادوں پر قائم کیا جائے؟ یہ ماڈل انہیں قدیم یونانی اور رومی تہذیبوں میں ملا۔ قرون وسطیٰ کا معاشرہ ان دونوں تہذیبوں سے ناآشنا ہو چکا تھا مگر عربوں کی ذریعہ سے جب یونانی تراجم ان تک آئے تو انہوں نے دوبارہ سے اس مٹی ہوئی اور گم شدہ تہذیب کو دریافت کیا۔ جب قسطنطنیہ پہ ترکوں نے قبضہ کیا تو رہاں سے بہت سے اسکالرز قدیم کتابوں کے مسودات کے ساتھ یورپ میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے اس جستجو و تحقیق میں اہل یورپ کی مدد کی۔ یونانی اور ادبی فلسفیوں' مفکروں' شاعروں اور ادیبوں سے جو سبق حاصل کیا وہ یہ تھا کہ ان کے افکار و نظریات اور تجربات سے زندگی میں راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ میکولی نے اسی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ معاشرہ کو قدیم دنیا کی دریافت کا احساس ہو رہا ہے۔

(2)

یہ عہد جو اب تک پرانے مسودوں میں دبا ہوا تھا اس کو وہاں سے نکال کر باہر لایا گیا۔ اس مقصد کے لئے پرانے مفکرین کے مسودوں اور ان کے متن کو درست کیا گیا۔ اس سلسلہ میں پھر تاریخی دستاویزات سے مدد لی گئی' ان کی شہادتوں کو جانچا اور پرکھا گیا' اس سے متن پر تنقید کے معیار مقرر ہوئے۔ لہٰذا تحقیق کے جو نئے معیار' اور طریقے دریافت ہوئے ان کی بنیاد پر یہ کہا جانے لگا کہ انہیں خطوط پر بائبل کا بھی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری مذہبی کتابیں جو اولیاء سے منسوب تھیں جب ان پر تحقیق کی گئی تو ان میں اکثر جعلی ثابت ہوئیں۔ ان کتابوں کے مسودوں کو اس عہد کی زبان اور اس کے معیار پر جانچا گیا۔

پریس کی ایجاد کے بعد یہ ممکن ہو گیا کہ ان مسودوں کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ یونانی و رومی دور کی تاریخ' یادداشتیں' معاہدے' شاعری اور ادب چھاپا گیا۔ رومی مفکر اور خطیب سسرو کی کتاب جو فن خطابت پر تھی وہ بڑی مقبول ہوئی اور 1500ء میں اس کے دو سو ایڈیشن صرف اٹلی میں چھپے۔ کتابوں کی اشاعت نے لوگوں میں کتب خانے قائم



میں جگہ جگہ کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ (3) پریس کے قیام اور نئی کتابوں کی اشاعت سے سب سے زیادہ خطرہ چرچ کو تھا۔ اس لئے پوپ الگزینڈر پنجم نے کہا تھا کہ پریس کا قیام صرف اس صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ جب مفید کتابیں چھاپے لیکن اگر یہ عقیدے کے خلاف مواد چھاپے تو ضروری ہے کہ اس کو کنٹرول کیا جائے۔ کیونکہ ان تحریروں سے ایمان والوں میں عقیدہ کے بارے میں شک و شبہات پیدا ہوں گے۔

اب مذہبی تعلیم کے علاوہ سیکولر تعلیم کی ضرورت ہوئی' تاکہ ان علوم کے ذریعہ ذہنوں کو تقلید سے آزاد کرایا جائے۔ اس لئے گرامر' منطق' ریاضی' جیومیٹری' اسٹرونومی' قانون' اور طب کو نصاب کا حصہ بنایا گیا۔ قرون وسطیٰ کے علوم کی اہمیت آہستہ آہستہ گھٹنا شروع ہوئی کیونکہ یہ مذہبی عقائد سے جڑے ہوئے تھے اور عملی دنیاوی کاموں کے لئے غیر مفید تھے۔ ان علوم میں مذہبی مباحث تھے اور ان غیر ضروری موضوعات کی بھرمار تھی کہ جس سے اب کسی کو دلچسپی نہیں رہی تھی۔ مذہبی تعلیمات راہبوں' پادری' اور چرچ کے مذہبی عہدیداروں کے لئے تو ان کے مفادات کے مطابق تھیں' مگر نئے تاجر طبقے' دوکانداروں' اور انتظامیہ کے کارکنوں کے لئے اس میں کوئی افادیت نہیں تھی۔

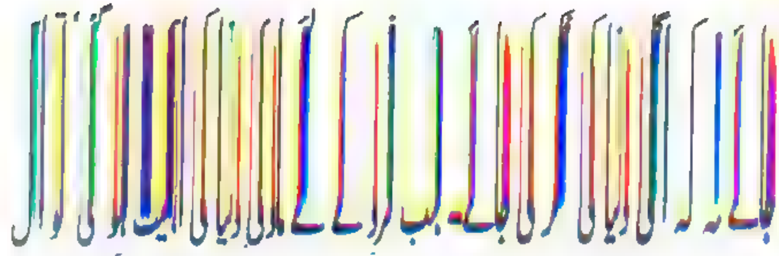
جن لوگوں نے یونانی اور رومی علوم سے استفادہ کیا' اور ان کی دانش مندی اور فکر کی بنیاد پر اپنے نظریات و خیالات کی بنیاد ڈالی یہ لوگ ہیومنسٹ یا انسان دوست کہلائے۔ ان کی کوشش تھی کہ علوم کو مذہبی توہمات سے آزاد کرایا جائے اور اس کی نئے سرے سے ایسی ترتیب کی جائے کہ جو روزمرہ کی زندگی میں کام کر سکے۔ اس کا تعلق فرد کی نجی زندگی ہی سے نہ ہو بلکہ اس میں پورے معاشرے کے مفادات کو نظر میں رکھا جائے تاکہ ان کی مدد سے مستقبل کی منصوبہ بندی ہو سکے۔

ہیومن ازم کی تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فرد کو چرچ'

مذہب' اور عقیدہ کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔ یہ انسان کی دریافت تھی' جو اب تک روایات و عقائد کے تلے دبا ہوا اپنی ذہنی صلاحیتوں' اور تخلیقی ذکاوت سے محروم تھا اس کی بنیاد یونانی اور رومی دور کے فرد پر تھی کہ جسے اپنی عظمت کا احساس تھا اور جو دیوتاؤں سے ڈرتا یا خوف زدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے آنکھیں ملا کر بات کرتا تھا۔ وہ نہ تو آخرت سے خوف زدہ تھا' اور نہ جہنم کی آگ سے' بلکہ اس میں یہ اعتماد اور جرات تھی کہ وہ خود اس قابل تھا کہ دیوی و دیوتاؤں کی مدد کے بغیر اپنی دنیا آپ بنا سکتا تھا۔

ہیومنسٹ تحریک کے عالموں اور مفکرین کو ایک ایسے انسان کی یورپ کے معاشرے کی تشکیل اور تعمیر کے لئے ضرورت تھی' ایک آزاد اور خودمختار انسان' جو اپنی اخلاقی قدروں کا انتخاب خود کرے۔ ایک ایسے فرد کی اس لئے ضرورت تھی کیونکہ عیسائیت نے اسے پیدائشی گناہ کے عقیدے میں جکڑ کر اس کی شخصیت کو مجروح کر دیا تھا۔ وہ احساس گناہ کے بوجھ تلے اس قابل نہیں رہا تھا کہ اپنی عظمت' اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکے۔ گناہ کے احساس نے اسے عبادت' ریاضت' نفس کشی' چلہ کشی' اور چرچ کے تابع کر دیا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ آزاد شخص چرچ اور عیسائیت سے آزاد ہو کر علم و دانش مندی' اور نیکی کی تلاش کرے۔ اس میں وہ صلاحیت و اعتماد پیدا ہو کہ وہ افلاطون کی جمہوریت کو ممکن بنا سکے۔ (4) لہٰذا ان کلاسیکل علوم کی طرف توجہ دی گئی کہ جو انسانی ذہن کو آزاد کر کے اس میں عقل و فہم و ادراک پیدا کریں۔ نعرہ یہ تھا کہ "تمام شان و شوکت اور خوبصورتی انسان میں پوشیدہ ہے۔"

فرد خود کو کس طرح سے ممتاز کر سکتا ہے اور کس طرح سے اپنی شخصیت کو اجاگر کر سکتا ہے؟ اس کے لئے اب فقر' غربت' مفلسی اور قناعت و صبر کی ضرورت نہیں تھی' بلکہ اس کی ضرورت تھی کہ وہ دولت و شہرت حاصل کرے' مادی وسائل کو جمع کرے۔ اس لئے ایک پر مسرت اور خوبصورت زندگی کے لئے دولت کا ہونا لازمی تھا تاکہ اس دولت سے زندگی کا لطف اٹھایا جائے' اس مقصد کے لئے اس دنیا کو بہتر بنایا



میں زندگی کی خواہش بڑھ گئی اور خود کو موت سے دور رکھنے کی کوشش ہوئی' اسی جذبہ نے آگے چل کر میڈیسن کی ترقی میں حصہ لیا اور انسان نے اپنے جسم کی خوبصورتی پر توجہ دیتے ہوئے اسے بیماریوں سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ اب تک فرد' نہ صرف چرچ' اور فیوڈل لارڈ کے ماتحت تھا' بلکہ وہ اپنی برادری سے بھی جڑا ہوا تھا۔ قرون وسطیٰ میں کسی کا ان اداروں اور ان کی روایات سے علیحدہ رکھ کر زندگی گزارنا مشکل تھا۔ مگر اب فرد نے ان زنجیروں کو بھی توڑنا شروع کر دیا مالی وسائل اور دولت نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ تنہا رہ کر زندگی گزار سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں پہلی مرتبہ افراد نے اپنی یادداشتیں لکھنی شروع کیں کہ جن میں انہوں نے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے۔ اس عہد میں مصوروں نے افراد کی تصویریں بنانا شروع کر دیں کہ جس میں اب صرف اس کی ذات تھی' جو اس کی انا کو مطمئن کر رہی تھی۔ (5)

اب ان افراد کے مجسمے تراشے جانے لگے کہ جنہوں نے کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ یہ مجسمے اب عمارتوں ہی میں نہیں ہوتے تھے بلکہ علیحدہ سے بھی ہوتے تھے تاکہ وہ مجسموں کے مجمع میں گم نہ ہو جائیں۔ لہٰذا اب پیغمبروں اور اولیاء کی جگہ دنیاوی افراد مصوری' مجسمہ تراشی' اور ادب میں سامنے آئے۔ اب انسانی جسم کو لباس میں چھپا کر نہیں رکھا گیا بلکہ برہنہ مجسمے اور تصاویر بھی بنائی گئیں تاکہ انسانی جسم کی خوبصورتی سامنے آئے اور اس سے اس کی طاقت' فکر' سوچ' دانش مندی' اور خوبصورتی ظاہر ہو

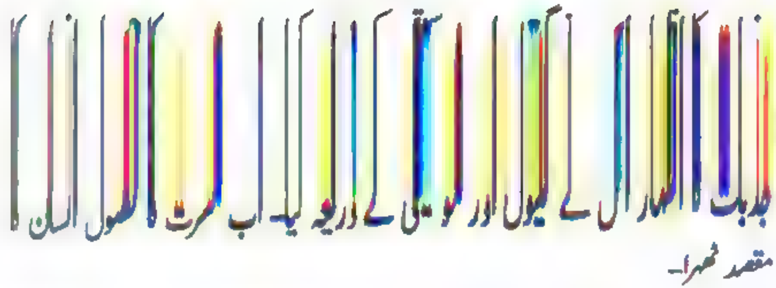
انسان کے مہذب ہونے کے لئے یہ بھی لازمی ہوا کہ اپنی عادات و اطوار کو بدلے' اپنے رویوں کو تبدیل کرے اس لئے ان موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں۔ خاص طور سے عورتوں کے لئے پڑھا لکھا ہونا' اور موسیقی و مصوری اور رقص سیکھنا ضروری ہوا۔ (6)

اس نئے ماحول میں بورژوا یا تاجر طبقہ کو بڑا عروج ملا۔ کیونکہ قرون وسطیٰ کے مذہبی معاشرے میں یا تو چرچ کے عہدیدار ترقی کر سکتے تھے اور یا جنگ جو نائٹ' لیکن اب تاجروں کے لئے بھی ترقی کے راستے کھل گئے۔ ان میں ابھی تک مذہبی اور تجارتی دونوں قسم کے جذبات کی ملاوٹ تھی۔ دولت مند تاجر خیرات' صدقہ اور غریبوں کی مدد کے ساتھ ساتھ چرچ کو عطیات بھی دیتے تھے۔ ان کے رجسٹروں پر لکھا ہوتا تھا کہ "خدا اور منافع کے نام پر" اب چرچ نے بھی اپنا رویہ بدل لیا۔ غربت جس کو حضرت عیسیٰ سے منسوب کر کے بطور خوبی کے بتایا جاتا تھا' اب کہا گیا کہ یہ خوبی رومی دور کے لئے ٹھیک تھی۔ مگر اب شان و شوکت کی ضرورت ہے۔ جب تاجروں نے پوپ اور چرچ کو عطیات دیئے تو اس نے بھی چرچ کے پیسوں پر سود لینا' کریڈٹ پر دینا' اور تجارت میں سرمایہ کاری شروع کر دی' اب یہ خدا کے لئے پسندیدہ ہو گیا۔ کولمبس نے اس کے بارے میں کہا تھا کہ:

> "سونا بڑی عمدہ چیز ہے۔ جس کے پاس یہ ہوتا ہے وہ اس دنیا میں جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعہ جنت میں بھی جا سکتا ہے۔"

(2)

ریناساں کا دوسرا اہم نتیجہ اس کا فطرت کی طرف سے رویہ تھا۔ اب تک مذہبی نقطہ نظر سے فطرت کو ایک راز سمجھا جاتا تھا اور خیال یہ تھا کہ اس میں دخل دینا خدا کے کاموں میں گڑبڑ کرنا ہے۔ لیکن اب فطرت راز نہیں رہی' اور انسان میں جستجو و تلاش و تحقیق کا مادہ پیدا ہوا کہ اسے دریافت کیا جائے۔ انسان پر اب فطرت کی خوبصورتی کا اظہار ہوا۔ دریا' پہاڑ' درخت اور جانور اس کی توجہ کا محور بنے۔ لہٰذا اس عہد کے آرٹ میں فطرت اپنی پوری دلکشی اور آرائش کے ساتھ نظر آتی ہے۔ فطرت سے اس لگاؤ نے انسان میں مسرت' محبت' اور خوبصورتی کے احساسات کو پیدا کیا۔ ان



مقصد ٹھہرا۔

جب انسان نے خوبصورتی کو فطرت میں تلاش کیا' تو اس سے اس نے توازن' روشنی' زاویئے اور پیمائش کے بارے میں سیکھا اور ان کو فن تعمیر' مصوری' اور مجسمہ سازی میں استعمال کیا۔

نئے علوم نے انسان کو جو نئی فکر دی' اس کی بنیاد پر اس نے اتھارٹی کو چیلنج کرنا شروع کیا۔ اب تک وہ چرچ اور مذہبی علماء کے خیالات کو بغیر کسی تنقید کے قبول کر لیتا تھا۔ مگر جب اس کے سامنے یونانی اور رومی مفکرین کے نظریات آئے تو اس نے دونوں کا مقابلہ کیا۔ اب یہ اس کا فیصلہ تھا کہ ان میں کس کو اختیار کرے۔ یہ فیصلہ وہ تجربہ کے بعد ہی کر سکتا تھا اس لئے مقابلہ اور تجربہ اور فیصلہ اب کسی نظریہ کی سچائی یا افادیت کے معیار ٹھہرے۔ بیکن کا کہنا تھا کہ "سچائی اتھارٹی کی نہیں بلکہ وقت کی ہوتی ہے۔" اب تک تعلیم پر چرچ کا جو تسلط تھا وہ ٹوٹا۔ ہیومنٹس اور میونسپل اسکولوں کے اساتذہ نے تعلیم کو سنبھالا۔ تعلیم یافتہ لوگ اب ملازمت کے لئے چرچ کے محتاج نہیں رہے بلکہ ان کے لئے انتظامیہ' تجارت اور قانون کے پیشے کھل گئے۔ اب تعلیم یافتہ شخص معمولی خاندان کا ہوتے ہوئے بھی اونچے سرکاری عہدوں پر جا سکتا تھا۔ مثلاً بل فائٹ اور جنگ جوؤں کے درمیانی مقابلے تنقید کی زد میں آ گئے۔ اسکالرز کا کہنا تھا کہ جسمانی طاقت بغیر اخلاقی قدروں کے بیکار ہے۔ اس لئے تعلیم کے ذریعہ جسم و ذہن دونوں کی نشوونما ہونی چاہئے۔ انہوں نے فیوڈل لارڈز کی سرگرمیوں' عادات کو بھی برا کہا اور خاندان پر فخر کرنا اب برا ٹھہرا اور انہیں "ماضی کے غنڈے کہا گیا۔" اب فخر فرد کی اپنی ذات سے ہونے لگا کہ وہ خود کیا ہے؟ اس کے کارنامے کیا ہیں؟ اور وہ معاشرے کے لئے کتنا مفید ہے؟

چرچ اب تک غریب لوگوں کو مدد دیتا تھا۔ اس وجہ سے معاشرہ میں سماجی بہبود میں اس کا کردار تھا۔ لیکن اب غریبوں کی امداد کے لئے سیکولر ادارے بننا شروع ہوئے اور

ان کی جانب سے غریبوں کی مدد کی جانے لگی۔ مگر یہ سیکولر ادارے اس کے خلاف تھے کہ لوگ بھیک و خیرات پر گزارا کریں کیونکہ اسے وہ انسانیت کی تذلیل قرار دیتے تھے' اس لئے انہوں نے بھیک کے خلاف قوانین بنائے اور اس پر زور دیا کہ لوگ کام کریں۔

اگر ہیومنسٹ تحریک کے شاعروں اور ادیبوں نے چرچ اور اس کی بدعنوانیوں کا تذکرہ تو بہت کیا مگر محض تذکرے کرنے اور ان کا پردہ فاش کرنے سے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کے لئے طاقت و قوت اور اتھارٹی کی ضرورت تھی۔ جو بعد میں ریفارمیشن کے ذریعہ آئی۔

ایک اہم تبدیلی یہ تھی کہ بائبل کا ترجمہ مقامی زبانوں میں ہو رہا تھا۔ 1466ء میں اس کا ترجمہ جرمن میں ہوا۔ 1471ء میں اطالوی میں' 1477ء میں ڈچ میں' اور 1487ء میں فرانسیسی میں۔ اس نے لاطینی زبان کے طلسم اور تسلط کو توڑا اور کتاب مقدس کو مقامی زبانوں کے ذریعہ زیادہ لوگوں تک پہنچایا۔

ان تبدیلیوں کی وجہ سے سولہویں صدی میں معاشرے اور افراد کے درمیان رشتے بدل رہے تھے۔ فرد' چرچ اور بادشاہ کے درمیان خلیج پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے اب ضرورت اس بات کی تھی کہ فرد اور خدا کے درمیان رشتہ کو مضبوط کیا جائے۔

(3)

ریناساں کے عہد میں معاشرے میں جو دولت' شہرت' اور دنیاوی آسائشوں' آرام اور فطرت کی دلکشیوں سے لطف اندوز ہونے کے جذبات پیدا ہوئے انہیں نے اسے اپنے ملکوں اور ملکوں سے باہر ذرائع کی تلاش میں سرگرداں کیا۔ کیونکہ خود یورپ کے ملکوں میں اتنے ذرائع نہیں تھے کہ جو لوگوں کے لئے پورے ہوتے' جو زمین اور دولت تھی اس پر پہلے ہی سے چرچ اور فیوڈل لارڈز قابض تھے۔ امیر و غریب کا فرق اتنا تھا کہ غریبوں میں خریدنے کی استطاعت بہت کم تھی۔ اس لئے یہ سوال تھا کہ دولت

کہاں سے حاصل ہو؟ اس کا ایک حل تو یہ تھا کہ تجارت کے ذریعہ اور نئی زمینوں پر قبضہ کر کے۔ لہذا اب ان دونوں طریقوں کو استعمال کیا گیا۔ لیکن ان جذبات کے پس منظر میں انسانی جذبہ تجسس بھی شامل تھا جو ان جانی چیزوں کو جاننا چاہتا تھا۔ جو ان ملکوں اور لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ جن کے تذکرے، قصے اور داستانیں تھیں۔ خاص طور سے صلیبی جنگوں کے بعد وہاں سے آنے والوں نے مشرق کا ایک رومانوی تصور قائم کر دیا تھا۔ ایک ایسی سرزمین کا جہاں دولت کی فراوانی ہے اور جہاں خوبصورتی ہے، دلکشی ہے۔ ایک ایسی سرزمین میں دولت حاصل کرنے کا سنہری موقع تھا۔ مارکوپولو کے سفرنامے نے مشرق کے بارے میں عجیب و غریب باتیں بتا کر لوگوں کے شوق اور جذبہ کو اور بڑھا دیا تھا۔

ان مادی خواہشات کو آگے بڑھانے میں مذہبی جذبہ بھی تھا۔ کہ نئی سرزمین میں جا کر وہاں عیسائیوں کی تلاش کی جائے اور جو عیسائی نہیں ہیں انہیں اس مذہب کے دائرہ میں لایا جائے۔ واسکوڈا گاما جب کالی کٹ پہنچا تو اس نے کہا کہ وہ یہاں عیسائیوں کی تلاش اور گرم مسالوں کے حصول کے لئے آیا ہے۔ ایک اور مہم جو ڈیاز (Diaz) نے کہا کہ وہ مشرق اس لئے گیا کہ وہ "خدا اور بادشاہ کی خوشنودی چاہتا ہے۔ ان کو روشنی پہنچانا چاہتا ہے کہ جو اندھیرے میں ہیں اور دولت حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ تمام انسانوں کی خواہش ہوتی ہے۔" (7)

دولت کے حصول کا جلد طریقہ یہ تھا کہ زمینوں پر قبضہ کر کے، سستی محنت حاصل کر کے اس سے منافع کمایا جائے۔ اسپین کے جاگیردار اس طریقہ سے دولت حاصل کرنے کے عادی تھے کیونکہ انہوں نے اندلس میں مسلمان ریاستوں سے جنگ کر کے ان کی زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ لیکن فتوحات کے بعد زمینوں کے مالک بادشاہ اور امراء ہو گئے۔ اس لئے عام آدمی کے لئے یورپ میں زمین کا حصول مشکل تھا۔ اس لئے نئی دریافتوں نے کسانوں کو امید دلائی کہ وہ بھی زمینوں کے مالک ہو سکتے ہیں۔ دولت کمانے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ تجارت میں سرمایہ کاری کی جائے۔ خاص طور سے

دور ممالک کی تجارت میں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ ایسی اشیاء ہوں کہ جن کا وزن کم ہو مگر قیمت زیادہ ہو تاکہ جہازوں میں بہ آسانی آ سکیں۔ اس وجہ سے مسالے' سلک' ہاتھی دانت' ہیرے جواہرات اور کپڑوں کی تجارت ہوئی۔ دولت حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ لوٹ مار کا تھا۔ لہٰذا اہل یورپ نے ان تینوں طریقوں کو اپنا کر دولت جمع کی۔ (8)

امریکہ کی دریافت سے' جیسا کے پچھلے صفحات میں بلاٹ نے کہا ہے' یورپ کی تاریخ پر گہرے اثرات ہوئے۔ کیونکہ اس پر قبضہ کے بعد یورپ نے نہ صرف یہاں پر اپنی زائد آبادی کو بھیج دیا بلکہ اس کے ذرائع پر بھی قبضہ کر کے اسے اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا۔ جب پہلے پہلے کولمبس نے مقامی باشندوں کو دیکھا تو اس کے تاثرات تھے کہ یہاں نہ لوہا ہے' نہ ہی ہتھیار ہیں اور نہ یہاں کے باشندوں کی ہتھیار حاصل کرنے کی کوئی خواہش ہے۔ یہ معصومیت کے مرحلے میں ہیں اور عیسائی ہونے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن اہل یورپ کے خیالات مقامی باشندوں کے بارے میں اس وقت بدلنا شروع ہوتے ہیں کہ جب وہ ان کی زمینوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے' اس لئے درمیانی دور میں ان میں سے کچھ اچھے ہوئے کچھ نکتے اور آخر میں یہی لوگ وحشی' جنگلی' غیر مہذب' انسانی گوشت کھانے والے اور بت پرست ہو گئے۔ اس لئے عیسائیوں کے لئے لازمی ٹھہرا کہ انہیں فوجی قوت و طاقت سے کچلا جائے اور ان کی زمینوں پر قبضہ کیا جائے۔

زمین کے علاوہ اہل یورپ کی دوسری خواہش تھی کہ یہاں سے سونا لوٹا جائے۔ دوسری مہم میں سترہ جہازوں میں تین سو فوجی گئے تاکہ مقامی باشندوں کو طاقت کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ وہ سونے کے ذخائر کے بارے میں بتائیں۔ جب وہاں پر ہسپانوی آباد ہو گئے تو انہوں نے چاندی کی کانیں دریافت کیں اور مقامی باشندوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کانوں میں کام کریں۔ انہیں عیسائی بنایا گیا تاکہ وہ وفادار اور اطاعت گزار ہوں۔ لہٰذا نئی زمینوں کی دریافت میں اہل یورپ کے دو مقاصد واضح تھے دولت لوٹنا اور



بحرالکاہل کے جزیروں میں جب انہوں نے شکر کی کاشت شروع کی تو انہیں کام کے لئے غلاموں کی ضرورت پڑی۔ افریقہ سے لائے ہوئے ان غلاموں پر جبرو تشدد کے لئے ضروری تھا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ یہ نسلی طور پر کم تر ہیں۔ لہٰذا والٹیر کا کہنا تھا کہ "نیگروز کی نسل ہم سے اس طرح مختلف ہے جیسے بلڈ ہاؤنڈ گرے ہاؤنڈ سے۔ ان کی عقل و فہم ہم سے بہت کم تر ہے۔" مانٹسکو نے ان کے بارے میں کہا کہ :
"کوئی بھی شخص یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ خدا کس طرح سے ایک اچھی روح کو کالے جسم میں داخل کر سکتا ہے۔" یہ روشن خیال مفکرین کی رائے تھی جو یورپ میں لبرل ازم اور وسیع النظری کو پھیلا رہے تھے۔ (10)

پلانٹیشن کی وجہ سے تمباکو' کافی' شکر اور روئی کی زائد پیداوار ہوئی جو عام لوگوں تک پہنچیں' اس سے تجارت کو بھی فروغ ہوا' اور سرمایہ میں بھی اضافہ ہوا۔ اس میں غلاموں کا جو حصہ ہے اس کو یورپی تاریخ میں نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

جغرافیائی دریافتوں کے بعد نہ صرف یورپ نے دوسرے علاقے دریافت کئے بلکہ خود اپنی بھی نئے سرے سے شناخت کی۔ کیونکہ جب انہوں نے اپنا دوسرے معاشروں سے مقابلہ کیا تو اس کے پس منظر میں تاریخی عمل کا تعین کیا۔ ڈیوڈ ہیوم نے ان مراحل کو شکار' مچھلی پکڑنے والا' زراعت' اور تجارت کہا۔ آدم اسمتھ نے شکار' جانور پالنے والا' زراعت اور تجارت کہا۔ اس روشنی میں امریکہ اور افریقہ کے معاشرے تہذیب کے ابتدائی مراحل قرار پائے۔ وسط ایشیا کے خانہ بدوش معاشرے' مشرق میں ہندوستانی و چین وغیرہ زراعتی تھے جب کہ یورپ مرکنٹائل سرمایہ داری میں تھا۔ کہتے ہیں کہ اسکاٹ لینڈ کے اسکالرز نے اس تاریخی عمل میں یورپ کے لئے ترقی کی اصطلاح استعمال کی' جب کہ دوسرے معاشرے پس ماندہ اور پچھڑے ہوئے ہو گئے۔ تاریخ کی اس تقسیم سے یورپ ان سب سے آگے بڑھ گیا اور تاریخی عمل میں اس کی حیثیت مرکزی ہو گئی۔ لہٰذا نوآبادیات کے لوگوں کے لئے ترقی کے انہیں مراحل کی ضرورت

تھی کہ جن پر چل کر یورپ نے عروج حاصل کیا تھا۔

ایشیا جہاں عظیم تہذیبیں تھیں اسے "مشرق" بنا دیا گیا تاکہ مغرب کے مقابلہ میں اسے کم تر ثابت کیا جائے۔ رنگ کے بارے میں بھی اہل یورپ کے خیالات بدلتے رہے۔ اٹھارویں صدی تک چینی اور جاپانی سفید رنگ کے تھے' مگر بعد میں وہ پیلے رنگ کے ہو گئے۔ مغرب کا جو نیا تصور ابھرا وہ یہ کہ اس کے باشندے ست و کاہل ہیں۔ جو ملتا ہے اس پر قانع رہتے ہیں۔ جستجو سے خالی ہیں اور ایجاد سے دور ہیں۔ (11)

ریناساں نے انسان' فطرت' اور نئی زمینوں کی دریافت کی۔ اس نے فرد کو جو اعتماد دیا یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے چرچ اور بادشاہ کی اتھارٹی کو چیلنج کیا۔ یہ اسی وجہ سے ممکن ہوا کہ اس نے فطرت کو تسخیر کیا۔ اگرچہ یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ فطرت کو مسخر کر کے اسے اس نے تباہ و برباد کر دیا۔ اب تک انسان اور فطرت میں جو ہم آہنگی تھی' وہ ٹوٹ گئی اور ان کے رشتوں کے درمیان جو توازن تھا وہ بگڑ گیا۔

اسی طرح نئی سرزمینوں کی دریافت سے یورپ نے تو فائدہ اٹھایا مگر ان کے قدیم باشندے اس عمل میں تباہ و برباد ہو گئے۔ ان کی نسلیں کی نسلیں یورپی فاتحین کی نذر ہو گئیں۔ ان کا کلچر' تہذیب و تمدن ماضی کا حصہ بن کر رہ گئے۔ اہل یورپ نے تاریخ کو اپنے نقطہ نظر سے لکھ کر اپنی لوٹ مار' جنگ و جدل' ناانصافی' اور نسلی تعصب کو چھپا دیا۔

اس لئے ریناساں کے دور میں یورپی معاشرے میں جو تبدیلیاں ہوئیں' ان کو پوری طرح سے تاریخی عمل کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کی یہ تبدیلیاں مثبت بھی تھیں اور منفی بھی۔

حوالہ جات

1- جے۔ اے۔ پیری:

The Age of Reconnaissance : Discovery, Exploration and

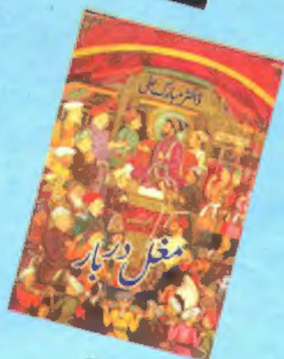
Settlement, 1450-1605. University of California 1981. 2 -ص

-2 میری من: ص- 14-60
-3 ایضاً: ص- 38، 60، 61
-4 یضاً: ص- 63، 64
-5 ایضاً: ص- 64
-6 ایضاً: ص- 65
-7 پیری: ص- 19
-8 ایضاً: ص- 19، 21
-9 فونٹانا: ص 115-116
-10 ایضاً: ص- 123
-11 ایضاً: ص- 138، 139















فکشن ہاؤس
18-مزنگ روڈ لاہور
E-mail: fictionhouse2004@hotmail.com
Ph:042-7249218, 7237430